مارچ ۱۹۹۳ء

ماہنامہ ترجمان القرآن

جاری کردہ :

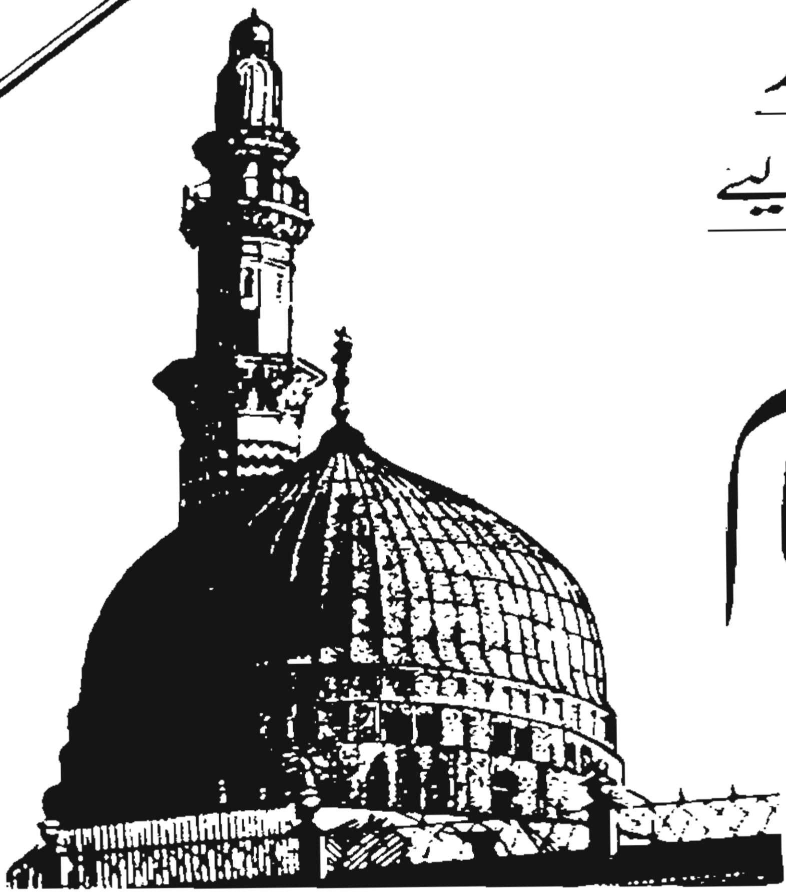
مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

119/3

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

تفہیم القرآن کے بعد

تفہیم سیرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے



سیرتِ سرورِ عالم ﷺ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

***

جلد اوّل ———— بنیادی مباحث

جلد دوم ———— ولادت سے ہجرت تک

سائز: ۲۰×۲۶/۸ ○ کتابت: دلکش ○ طباعت: عکسی ○ جلد: نفیس

ضخامت جلد اوّل: ۷۶۴ صفحات ⊙ ضخامت جلد دوم: ۷۶۴ صفحات

دونوں جلدیں نقشے اور تصاویر سے مزیّن ہیں

قیمت مکمل سیٹ : ۲۰۰/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ○ لاہور

جلد ۱۱۹ مارچ ۱۹۹۳ء عدد ۳

ماہنامہ ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۔ ۵۳۴۰

ماہنامہ
ترجمان القرآن
لاہور

جلد ۱۱۹ عدد ۳

مارچ ۱۹۹۳ء رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

فہرست مضامین

برائے اداری امور: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰ — فون نمبر ۸-۴۲۰۱۲۴، فیکس (۰۴۲) ۴۲۴۷۱۹

برائے انتظامی امور: رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور ۵۴۰۰۰ فون نمبر: ۲۳۴۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵

پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

زرِ سالانہ بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ مینیجر ترجمان القرآن لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

کراس چیکس قابل وصول نہ ہونگے۔

فی پرچہ ۶ روپے ○ زرِ سالانہ: ۶۰ روپے (اندرون ملک)

عرب ممالک، خلیجی امارات و برصغیر: ۱۸۰ روپے یورپ: ۲۵۰ روپے امریکہ و آسٹریلیا: ۳۲۵ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عبید محمد پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر "ترجمان القرآن" اچھرہ، لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

عوام الناس کو اللہ کی راہ میں جدوجہد کے لیے پکارنا اور جمع کرنا' اور انھیں اپنے ساتھ لے کر چلنا --- یہی کارِ رسالت کا ماحصل ہے۔ اس لیے اس کام کو نہ تو ترک کیا جاسکتا ہے نہ موخر' اور نہ اس سے غفلت برتی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کام کو صحیح طور پر انجام دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ داعی' مخلوقِ خدا کی طرف توجہ اور ان کے ساتھ مشغولیت میں' خود اپنی ذات کی طرف توجہ اور اس کام کے لیے زادِراہ جمع کرنے سے غافل نہ ہوجائے' اور خود اپنے نفس کو پکارنا اور اسے اپنے ساتھ ساتھ لے کر چلنا نہ بھول جائے۔ اس لیے کہ عام مخلوقِ خدا کی ہدایت بڑی بھاری ذمہ داری کا کام ہے' اس ہدایت کو قولِ ثقیل کہا گیا ہے' اور اس کام کو ایک کمر توڑنے والا بھاری بوجھ' **وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ**۔

کارِ رسالت کی انجام دہی کے لیے یہ زادِ راہ کیا ہے؟ سب سے بڑھ کر' جس کے بغیر --- جس درجہ میں اور جس قدر بھی بس میں ہو --- یہ کام ہو ہی نہیں سکتا وہ ہے سب سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہنا (حنیفیت)' اور ہر کام صرف اللہ کے لیے کرنا (اخلاص)۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم حنیف اور مخلص کے بلند سے بلند تر مقام کی آرزو کو اپنا مطلوب بنائیں' اور ان اعمال کا التزام کریں جو اس مقام کے حصول کا ذریعہ ہوں۔

دیکھیے! دین کا خلاصہ یوں بیان کیا گیا کہ **وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ**" اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے' بالکل یکسو ہو کر" (البینہ ۹۸: ۵)' اور اس سے متصل ہی' بطور وسیلہ' نماز اور زکوٰۃ کی ہدایت کی گئی۔ پہلی وحی ہی میں انسانوں کو پیغامِ الٰہی پہنچانے کی ہدایت دی گئی کہ

"پڑھو (لوگوں کو سنانے کے لیے) اپنے رب کے نام سے" ___ تو اس کے پہلو بہ پہلو' یہ ہدایت بھی درج کی گئی کہ "سجدہ کرو' اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو"۔ بالکل آغاز ہی میں جب یہ وحی آئی کہ "اٹھو اور خبردار کرو" ___ تو اس کے بعد ہی فوراً یہ وحی بھی آئی کہ "رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو... اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو... اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو' اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو"۔ جب کہا گیا کہ "اپنے رب کی نعمت (ہدایت) کا بیان کرو" ___ تو ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ "جب تم فارغ ہو تو (اللہ کی عبادت کے لیے) کمر باندھ لو' اور اپنے رب ہی سے لو لگاؤ"۔ "اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے" کا حکم دیا ___ تو ساتھ ہی معنوی و روحانی ساز و سامان کا بیان بھی کر دیا کہ "پس نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو' اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ"۔ جب کامیابی و فتح کا' اور يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا کے الفاظ میں عوامی بہاؤ اور رجوع کا مژدہ سنایا ___ تو ساتھ ہی پرزور تاکید فرمائی کہ کثرت کے ساتھ اپنے رب کی حمد کرو اور کیونکہ عوامی بہاؤ کے ساتھ لغزشوں کا امکان زیادہ ہے اس لیے استغفار کا التزام کرو۔

دعوت و جہاد کی راہ اس زادِ راہ کے بغیر طے نہیں ہو سکتی جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنی تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہروقت دعوت و جہاد میں مشغول رہتے تھے' آپؐ کو ہر لحظہ یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ___ سب کے سب ___ آپؐ کے ساتھی بن جائیں' اور جب لوگ آپؐ کا ساتھ دینے سے انکار کرتے تھے تو آپؐ ان کے غم میں گھلا کرتے تھے' ہر طرح کے لوگ آپؐ کے گرد جمع تھے' آپؐ کاروبارِ حکومت' صلح و جنگ' تعلیم و تزکیہ' قضا و افتا اور عام انسانی روابط و تعلقات جیسے کاموں میں بھی پوری طرح مشغول رہتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپؐ راتوں کو نماز میں کھڑے رہتے تھے' ایک ہی مجلس میں سو سو مرتبہ استغفار کر لیتے تھے' ہروقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے' اور پوری یکسوئی اور قلب کے پورے انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہا کرتے تھے۔

آپؐ کی طرح کوئی نہیں ہو سکتا' لیکن جو بھی کسی نہ کسی درجہ میں دعوتِ عام اور جہاد کا وہی کام کرنا چاہتا ہو جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے' اور آپؐ کے واسطے سے امتِ مسلمہ کے' سپرد کیا ہے' وہ بھی آپؐ کی طرح ان تمام ہدایاتِ الٰہی کا مخاطب ہے' اور آپؐ سے کہیں زیادہ اس زادِ راہ اور ساز و سامان کا محتاج ہے۔ اس کو ہروقت ہدایات قرآنی اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ کے اتباع کی کوشش میں لگا رہنا چاہیے کہ اس کے بغیر وہ اس پُرخطر راہ پر نہ صحیح طور پر چل سکتا ہے' نہ قائم رہ سکتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ ہر شخص بقدرِ استطاعت ہی سعی کر سکتا ہے' اور بقدرِ سعی ہی توفیقِ الٰہی اور قربِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے' لیکن یہ نہ سمجھیے کہ توجہ الی اللہ اور قربِ الٰہی کے مقامات کے لیے مطلوب اعمال کچھ اتنے مشکل ہیں جو صرف خواص ہی سے بن پڑ سکتے ہوں' اور یہ مقامات صرف انہی کا نصیب ہوں۔ ان میں سے کوئی عمل بھی ایسا نہیں جو' کسی نہ کسی درجہ میں' ایک عام انسان کے لیے کرنا ممکن نہ ہو' یا مشکل ہو۔ جنت اور قربِ الٰہی کے راستہ کو تو کہا ہی "الیسریٰ" گیا ہے' اور "الدین یسر" کی بشارت دی گئی ہے۔

قرب الٰہی کی جستجو' اور ان اعمال کو کرنا' یا کرتے رہنے کی کوشش کرنا' ہر لحہ کا کام ہے۔ لیکن بعض لحات ایسے ہوتے ہیں جب انکا حصول نسبتاً اور آسان ہوجاتا ہے' اور ان کے نتائج میں کئی گنا اضافہ ہوسکتا ہے۔ ہر شب و روز میں ایسے کئی لحات آتے ہیں' مگر رات کے لحات خصوصاً ایسے ہی لحات ہیں۔ اسی طرح مہ و سال کی گردش میں رمضان المبارک کا مہینہ بھی ایسا ہی وقت ہے۔ یہ بات کہ ہر رات ایک گھڑی ایسی آتی ہے جب اللہ تعالیٰ دنیا کے آسمان پر اترتا ہے اور اپنا دستِ کرم پھیلاتا ہے' رات کے لحات کی قدروقیمت اور نتیجہ خیزی ظاہر کرتی ہے۔ اور یہ بات کہ ماہِ رمضان میں شیاطین کو باندھ دیا جاتا ہے' جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں' فرض کا اجر ستر گنا ہوجاتا ہے' اور نفل کا فرض کے برابر' رمضان کی قدرو قیمت واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ رات ہرروز آتی ہے' اور رمضان ہر سال۔ ان قیمتی اوقات سے جتنا فائدہ اٹھا سکتے ہوں' اٹھایئے۔ اس سال رمضان میں کم سے کم ان اعمال کو کرنے کا عزم کیجیے' اور کرنا شروع بھی کردیجیے' جو عوامی دعوت کی پُرخطر راہ سے گزرنے کے لیے ناگزیر ہیں۔

بنیادی طور پر یہ بات یاد رکھیے کہ ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی ایسا نہیں جو کرنے کے لیے زندگی کے عام معمولات کو ترک کرنا پڑے' یا ان میں خلل پڑے' یا مشغول ترین زندگی میں بھی اس کی گنجائش نہ نکل سکے۔ اصل چیز توجہ' اور اصل نسخہ عام معمولات ہی کو قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنا لینا ہے۔ اضافی اعمال تو بہت قلیل اور بہت کم وقت طلب ہیں۔ جو وقت اور محنت طلب ہیں' جیسے قیامِ لیل' ان کو بھی سہولت کے ساتھ کرنے کے راستے بتا دیے گئے ہیں۔

ا۔ پانچ وقت کی نماز ہم سب پڑھتے ہیں' لیکن روزانہ پانچ دفعہ اس نہر میں غسل کرنے کے باوجود بالعموم ہماری روحانی اور اخلاقی گندگیاں ویسی کی ویسی ہی رہ جاتی ہیں جیسی غسل سے پہلے تھیں اور اللہ سے ملاقات اور بات چیت کرنے' اور اس کے سامنے اپنی فقیری اور محتاجی' شکر اور محبت اور

عجز و تذلل کے اظہار کے باوجود ہمیں اس سے کچھ تقرب حاصل نہیں ہوتا۔ اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہو سکتی ہے! حالانکہ نماز خود ہی تقرب ہے' اور قربِ الٰہی کے حصول کا یقینی نسخہ۔ اسی لیے دعوت و جہاد کی ہر ہدایت کے ساتھ ہر روز پانچ بار اقامتِ صلوٰۃ کی ہدایت کی گئی ہے۔

اس صورتِ حال کو بدلنا ضروری ہے۔ جب محنت بھی لگ رہی ہے' وقت بھی لگ رہا ہے' تو اس سے نفع کیوں نہ ہو۔ اس نفع کے لیے اس سے زیادہ کچھ کرنا ضروری نہیں کہ اقامتِ صلوٰۃ کی ظاہری شرائط ---- صحیح وقت' تعدیلِ ارکان' اور جماعت ---- کی پابندی کے ساتھ' جو بالکل اپنے اختیار میں ہے' ہر نماز میں خشوع کے حصول کی کوشش بھی کریں۔ یعنی' نماز کو ایک بے روح رسم کے بجائے اپنے رب سے ملاقات اور گفتگو میں بدلنے کی کوشش کریں۔ یہ کوشش بھی ہمارے اختیار میں ہے۔ اس کے لیے نہ وقت درکار ہے' نہ محنت' نہ طولِ نماز' نہ کوئی اضافی عمل' صرف توجہ درکار ہے۔ توجہ بھی خیالات کو بھٹکنے اور دل کو وسوسوں سے بچانے پر لگانے کی ضرورت نہیں' بلکہ ایک یا ایک سے زیادہ درج ذیل چیزوں پر توجہ مرکوز کرنا بھی کافی ہو سکتا ہے۔

(۱) جو لفظ یا کلمہ زبان سے کہیں' اس کے معنی ساتھ ساتھ دل میں دہراتے جائیں۔
(۲) اللہ میرے سامنے ہے' جو میں کہہ رہا ہوں یا کر رہا ہوں' اسے وہ دیکھ رہا ہے۔
(۳) اپنی غلامی اور تذلل کی جسمانی وضع پر نگاہ اور تصور جما دیں کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔
(۴) میں اللہ سے ملاقات اور بات چیت کر رہا ہوں۔
(۵) یہ میری آخری نماز ہو سکتی ہے۔
(۶) میری یہ نماز آخرت میں اللہ کے سامنے پیش کی جائے گی' اپنے اختیار سے کوئی ایسی چیز نہ کروں کہ یہ قبول نہ ہو۔

خشوع کے حصول کی جو ترکیب قرآن نے بتائی ہے' وہ یہی ہے کہ دل کو دھڑکا لگا رہے کہ اپنے رب سے ملاقات کرنا ہے اور اسی کے پاس واپس جانا ہے۔

آنے والے رمضان کی نمازوں ہی سے آپ خشوع پیدا کرنے کے لیے ان تدابیر پر عمل شروع کر دیں' اور پھر ان پر برابر عمل کرتے رہیں' تو انشاء اللہ نماز سے آپ کو مطلوبہ زادِراہ ملنا شروع ہو جائے گا۔

۲۔ رات کی نماز فرض تو نہیں رکھی گئی' کیوں کہ عام انسان بیماری' کسبِ معاش' اور قتال فی

سبیل اللہ جیسی مشغولیات کی وجہ سے اس کو نباہ نہیں سکتا تھا۔ لیکن اس کی تاکید اور ترغیب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی صفات میں قیامِ لیل کا ذکر بار بار بڑے اہتمام سے کیا ہے : وہ "جو راتیں سجود و قیام میں گزارتے ہیں" (الفرقان' الزمر)' وہ جو "راتوں کو کم ہی سوتے تھے' پھر رات کی آخری گھڑیوں میں استغفار کیا کرتے تھے" (الذاریات)' وہ "جن کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں' اپنے رب کو خوف اور لالچ کے ساتھ پکارتے ہیں" (السجدہ)

تاکید کتنی ہی ہو' جس بات کی دین میں صرف ترغیب کی حد تک تاکید کی گئی ہم اس کو ہر ایک کے لیے لازم نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہم دعوتِ عام اور جہاد میں مشغول ہر شخص سے قیامِ لیل کا مطالبہ نہیں کرتے۔ یہ آج کل کی مصروف زندگی میں ایک ایسا اضافہ ہوگا جس کو کم ہی لوگ نباہ سکیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی زبردست ترغیب کے بعد اگر آپ کے دل میں رات کی گھڑیوں میں اپنے رب سے لو لگانے کی ہوک اٹھے' تو آپ کو یہ ضرور جاننا چاہیے کہ اس کام کو کرنے کے آسان طریقے بھی ہیں۔

(۱) اگر آخر رات میں اٹھ کر نماز پڑھنا مشکل ہو' تو پھر سونے سے پہلے ہی آٹھ رکعتیں پڑھ لیں۔ اگر سونے سے پہلے بھی نماز کے لیے وضو کرنا اور کھڑا ہونا دشوار ہو' تو عشا کی نماز کے ساتھ پڑھ لیں۔ نبی کریمؐ سے رات کے ابتدائی حصہ میں' بلکہ ہر حصہ میں' پڑھنا ثابت ہے۔ اگر آپ ارادہ کر کے ایک دفعہ شروع رات میں پڑھنے لگیں گے' تو انشاء اللہ بیچ رات یا آخر رات میں پڑھنا بھی نصیب ہو سکتا ہے۔

(۲) رات کی نماز کے لیے بھی یہ ضروری نہیں کہ آپ لازماً طویل قرات ہی کریں۔ آخری دس سورتیں ہی ہر رات نماز میں پڑھیں' یا آخر کی کوئی اور چھوٹی سورتیں' تو یہ بھی کافی ہے۔ سورۃ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے' سورۃ کافرون ایک چوتھائی کے' سورۃ نصر ایک چوتھائی کے' سورۃ زلزال نصف کے' اور سورۃ تکاثر ایک ہزار آیات کے (اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم)۔ چھوٹی سورتیں اپنے حجم کے لحاظ سے چھوٹی ہوں' اپنے مضامین اور اجر کے لحاظ سے بڑی سورتوں سے کسی طرح کم نہیں۔ نبی کریمؐ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جس نے قیام میں دس آیات تلاوت کیں اس کا نام غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا' اور جس نے ایک سو آیات کی تلاوت کی اس کا شمار قانتین میں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں اذا زلزلت اور القارعہ ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ کر پڑھوں' تو یہ اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ البقرہ اور آل عمران کو جلدی جلدی

بغیر سمجھے پڑھ دوں۔

(۳) اگر یہ بھی آپ کے لیے مشکل ہو، تو فجر اور عشا کی نمازیں، جو آپ کو بہرصورت باجماعت پڑھنا چاہئیں، نبی کریمؐ کی اس بشارت پر یقین کے ساتھ باجماعت پڑھیں کہ "جس شخص نے عشا کی نماز جماعت سے پڑھی، اس نے گویا آدھی رات قیام کیا، اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی، اس نے گویا پوری رات نماز پڑھی"۔ مشغول سے مشغول آدمی کے لیے بھی قیام لیل کا ثواب حاصل کرنے کا یہ راستہ کتنا آسان ہے! بہت ہی بدقسمت ہوگا وہ جو فجر اور عشا کی جماعت ضائع کردے، اور قیام لیل کے حصول سے محروم ہوجائے۔ خصوصاً فجر، جس کے بارہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "میں صبح کی نماز جماعت سے پڑھوں، یہ مجھے رات بھر کے قیام سے زیادہ محبوب ہے"۔

(۴) رمضان کے مہینہ میں اگر آپ سحری کے لیے اٹھتے ہیں، تو ذرا سی کوشش سے یہ بہ آسانی ممکن ہے کہ آپ چند منٹ پہلے اٹھ جائیں، اور جتنا وقت ہو اس کے لحاظ سے دوچار رکعتیں پڑھ لیں، اور اس کے بعد، اور نماز نہ پڑھ سکیں تو اس کے بغیر بھی، سجدہ میں اپنی پیشانی زمین پر ٹیک دیں، اللہ کے سامنے گڑگڑائیں اور آہ وزاری کریں، اس سے اپنے گناہوں پر استغفار کریں، دین و دنیا کی ساری حاجتیں اور نعمتیں اس سے مانگیں، دل سوزی سے اپنی قوم کے لیے، امتِ مسلمہ کے لیے، عالمِ انسانیت کے لیے، ہدایت اور خیر کی دعا کریں، اور خاص طور پر ان لوگوں کے لیے دل کو پگھلائیں جن کو اللہ کی راہ پر لانا آپ کی ذمہ داری ہے، یا جو اس راہ پر آپ کے ساتھ چل رہے ہیں، بحیثیتِ مجموعی بھی اور افراد اور گروہوں کے نام لے لے کر بھی۔ اس طرح آپ "مستغفرینِ بالاسحار" کے زمرہ میں شامل ہوجائیں گے، آہِ سحرگاہی کی لذت سے آشنا ہوں گے، اور مخلوقِ خدا سے آپ کے تعلق میں دلسوزی اور بے لوثی پیدا ہوگی۔

رمضان میں اتنا کرنا آپ کے لیے کچھ مشکل نہ ہوگا۔ رمضان کے بعد، جس وقت بھی آپ قیامِ لیل کریں اس کے بعد، یہ عمل جاری رکھیں، اور جب ممکن ہوسکے تو فجر سے کچھ پہلے اٹھ کر، سجدہ میں پیشانی زمین پر ٹیک کر، یہی عمل کریں، خواہ آپ نماز نہ بھی پڑھ سکیں۔ کیا عجب کہ اس طرح بالآخر اللہ تعالیٰ آپ کو باقاعدگی سے "استغفار بالاسحار" کی توفیق بخش دے۔ جب ہی آپ شیطان کے لیے خطرہ بن سکیں گے۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے　　جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ　　کرتے ہیں اشکِ سحرگاہی سے جو ظالم وضو

۳۔ نماز کا مقصود اللہ کا تقرب اور اس کا ذکر ہے۔ ذکر میں جو کیفیت مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ

آپ اٹھتے' بیٹھتے اور لیٹتے اللہ کو یاد رکھیں اور یاد کریں۔ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔اس کیفیت کے حصول کے لیے یہ بالکل ضروری نہیں کہ آپ زندگی کا کوئی معمول یا مشغولیت ترک کریں۔ "اٹھتے' بیٹھتے' اور لیٹتے" کے الفاظ خود اس حقیقت کو آشکار کر رہے ہیں۔ صرف توجہ اور اہتمام درکار ہے۔

زندگی کا ہر کام اسی طرح کرتے رہیں جس طرح کرتے ہیں' لیکن جب اور جتنا ممکن ہو اپنا دھیان اللہ کی طرف کرنے کی کوشش کریں۔ "وہ میرے ساتھ ہے"۔ "وہ مجھے دیکھ رہا ہے"۔ "وہ میری ہربات سن رہا ہے"۔ "وہ کھلا رہا ہے اور پلا رہا ہے"۔ "ہرچیز اس کی بخشی ہوئی ہے"۔ "جس چیز پر نگاہ پڑے وہ اس کی پیدا کی ہوئی ہے' اس کی ہے"۔ "ایک دن اللہ سے ملاقات ہو گی"۔ "اس نعمت کے بارے میں وہ سوال کرے گا"۔ "ہر کام میں 'اسی کے چاہنے سے اور حکم و تدبیر سے کامیابی ہوگی۔" اور اس طرح کی دوسری یادیں۔ اس طرح اللہ کو یاد کرنے کے لیے وقت کی ضرورت نہیں' صرف توجہ چاہیے۔

پھر جب بھی ممکن ہو' تو اپنے دل کی یاد کو الفاظ کی شکل بھی دیں۔ مثلاً' کوئی کام شروع کریں تو اللہ کا نام لے لیں (بسم اللہ)' کسی نعمت سے فائدہ اٹھائیں تو اس کا شکر ادا کردیں (الحمدللہ)' کوئی گناہ ہوجائے تو احساس ہوتے ہی استغفار کرلیں (رب اغفرلی)' حضورؐ کا خیال آئے' نام آئے' تو درود و سلام پڑھ لیں۔ نبی کریمؐ نے زندگی کے ہر کام کے لیے اذکار اور دعاؤں کی تعلیم اسی لیے دی ہے کہ کام بھی جاری رہیں' اور انہی کاموں میں کثرت سے اللہ بھی یاد رہے۔ یہ بالکل ضروری نہیں کہ آپ لازماً ان اذکار اور دعاؤں کو عربی میں یاد کریں۔ ان کے مفہوم کو اپنی زبان میں زبان سے کہہ لینا' یا دل ہی دل میں کہہ لینا' بھی کافی ہے۔

پوری کوشش کے باوجود آپ یہ سب کچھ کرنا بار بار بھولیں گے' توجہ ہٹ جائے گی' اور اہتمام جاری نہ رہ سکے گا۔ اس سے بھی گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ نسیان تو آدم کی فطرت میں ہے۔ جب یاد آجائے کہ آپ یہ سب کچھ کرنا بھول گئے ہیں' اور یہ معمول ترک ہوگیا ہے' دوبارہ اللہ کی طرف دھیان رکھنے اور یاد کرنے کا کام شروع کردیں۔ اس طرح جب آپ بار بار بھولیں گے اور بار بار اللہ کی یاد کی طرف آئیں گے' تو آپ کے لیے "اواب" کا مقام حاصل کرنے کا دروازہ کھل جائے گا' جس کو جنت کی بشارت دی گئی ہے (سورۃ قٓ)۔

آپ اسی رمضان سے ذکر کی اس صورت کا اہتمام شروع کردیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ آپ کو صبح و شام ذکر' کثرت سے ذکر اور اٹھتے' بیٹھتے' لیٹتے ذکر کی کیفیت حاصل ہوسکتی ہے۔

۴۔ ہر وقت قلبی و لسانی ذکر، اور مختلف اوقات ' مثلاً نماز کے بعد ' صبح و شام ' اور مختلف کام کرتے ہوئے مخصوص اذکار کے علاوہ ' اگر آپ کے لیے ممکن ہو تو اذکار کے ایک مختصر سے وظیفہ کی پابندی کی بھی کوشش کیجیے۔ ذیل میں ایک نصاب دیا جارہا ہے ' جو ۱۰ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیتا۔ اس میں سے ہر ذکر کی تعلیم و تاکید اور اجر و فضیلت کئی صحیح احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد اس کا اہتمام کریں۔ مغرب کے بعد مشکل ہو ' تو فجر ہی کے وقت کر لیں۔ نماز کے فوراً بعد مشکل ہو ' تو کچھ پہلے اور بعد کرلیں۔ لیکن پہلے اور آخری کا التزام نمازِ فجر اور مغرب کے فوراً بعد ہی کرنے کی کوشش کریں۔

(۱) اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ـــــــ ۱۰ مرتبہ

(۲) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم ـــــــ ۱۰ مرتبہ

(۳) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم ـــــــ ۱۰ مرتبہ

(۴) اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَحَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ـــــــ ۱۰ مرتبہ

(۵) رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْن ـــــــ ۱۰ مرتبہ

(۶) اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ ـــــــ ۷ مرتبہ

موت ' اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن ' کو بھی قرآن کثرت سے یاد کراتا ہے ' اور یاد رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ یہ کام بھی اٹھتے ' بیٹھتے ' اور لیٹتے کرنا چاہیے۔ لیکن چند لمحات ' صرف چند ' منضبط طریقے سے موت اور موت کے بعد اللہ سے ملاقات تک کے سفر کو یاد رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے صبح و شام کے وظیفہ کی آخری دعا مفید ہو سکتی ہے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جو آدمی مغرب اور فجر کے بعد سات دفعہ یہ دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ کے عذاب سے بچا لے گا۔ دعا خود سے تو کام نہیں کرتی۔ دعا تو اس بات کا اظہار ہے کہ آپ کو اس چیز کی طلب ہے ' پیاس ہے ' جو آپ مانگ رہے ہیں۔ جب آپ پانی مانگتے ہیں تو آپ کو پیاس لگی ہوتی ہے ' آپ کھانا مانگتے ہیں تو بھوک لگی ہوتی ہے ' جتنی شدت سے بھوک

پیاس ہوتی ہے اتنی ہی بے چینی اور لگن سے آپ پانی اور کھانا مانگتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے دل کو آگ سے بچنے کی فکر لگی ہو' اور شدت سے لگی ہو' خوف' اندیشہ' بے چینی اور اضطراب سے دل بھرا ہوا ہو اور پھر آپ کہیں اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ' تو ان الفاظ کا اثر ہو گا۔ دل میں آگ لگی ہو گی تو الفاظ دل سے نکلیں گے' رنگ لائیں گے۔ الفاظ آپ دل سے کہیں گے' تو دل کو آگ سے بچنے کی فکر لگتی جائے گی۔ مانگنے سے بھی بھوک پیاس لگنے لگتی ہے۔ یہ گویا دو طرفہ عمل ہے۔

اس دعا کو ایک خاص طریقہ سے پڑھنے سے' یہ صبح و شام آپ کو اپنے رب سے ملاقات کو یاد رکھنے کا موثر ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس میں کوئی وقت بھی نہیں لگتا۔ آخرت کا یہ سفر قرآن مجید میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ میں ہر بار اس سفر کے کسی ایک مرحلے کی تصویر اپنے ذہن میں یاد کر کے کہتا ہوں' اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔

یہ طریقہ کیا ہے؟ آپ پہلی دفعہ کہیں' تو موت کا وقت یاد کریں۔ قرآن مجید میں موت کے وقت کا کثرت سے ذکر کیا گیا ہے۔ کسی ایک منظر کو اپنے ذہن میں قائم کر لیں۔ ایک یہ ہے:

جب جان گلے تک پہنچ جائے گی' کوئی سہارا نظر نہ آئے گا جو موت سے بچالے' کوئی جھاڑ پھونک کر کے بھی نہیں بچا سکتا۔ یقین ہو جائے گا کہ بس اب تو دنیا کو چھوڑنا ہے۔ بھائی بہن' باپ' رشتہ دار' مال و دولت' مکان سب چھوڑنا ہیں۔ جسم کی سب قوتیں ختم ہو جائیں گی' پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ اب اللہ کی طرف جانا ہے' اور سوائے اعمال کے کوئی سہارا نہیں۔ (القیامہ ۷۵: ۲۶-۳۰)

یا اس وقت کو یاد کریں جب فرشتے آئیں گے اور چہروں اور پیٹھوں پر آگ کے کوڑے ماریں گے یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ۔ یا موت کے کسی اور منظر کو چند سیکنڈ کے لیے' قرآن کے کسی حصے کے ذریعے' ذہن میں لا کر آپ موت کا وقت یاد کریں' اور پہلی بار کہیں اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔

دوسری بار کہنے لگیں تو قبر کا مرحلہ یاد کریں۔ موت کے بعد قبر کی منزل ہے۔ کہا گیا ہے کہ قبر ہی دراصل فیصلہ کردے گی کہ آگے کیا ہو گا۔ یا تو یہ آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے' یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ۔ حضرت عثمانؓ جب قبر پر کھڑے ہوتے تھے تو اتنا زاروقطار روتے تھے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جایا کرتی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ قبر کہتی ہے' میں تنہائی کا گھر ہوں' میں کیڑوں کا گھر ہوں۔ تو' قبر کا کوئی منظر ذہن میں یاد کریں اور

کہیں اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔

تیسرا مرحلہ ہوگا جب آپ کو قبروں سے نکال کر اللہ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا۔ لوگ دیوانہ وار اٹھ کر بھاگیں گے' ہوش اڑے ہوں گے' نگاہیں اٹھ نہ رہی ہوں گی' چہروں پر ذلت کی سیاہی ہوگی' ننگے ہوں گے مگر دیکھنے کا ہوش نہ ہو گا۔ سورج قریب آجائے گا' پسینہ اس طرح بہے گا کہ لوگ کانوں تک غرق ہوں گے۔ ہلکے سے ہلکا عذاب یہ ہوگا کہ آدمی کو آگ کے جوتے پہنا دیے جائیں گے اور اس کا دماغ کھولے گا۔ اعمال نامے ہاتھ میں ہوں گے' اور سب خدا کے حضور کھڑے ہوں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قسمت کا فیصلہ ہو رہا ہو گا۔ جس کے نیک اعمال بھاری ہوں گے تو وہ دل پسند زندگی پائے گا۔ جس کے اعمالِ بدبھاری ہوں گے تو اس کا تو ٹھکانہ آگ کا گڑھا ہو گا۔

یہ منزل ہے حشر کی۔ کسی بھی منظر کو ذہن میں تازہ کرلیں اور تیسری بار کہیں اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔

چوتھی منزل پل صراط کی ہے۔ آپ سوچیں کہ میں جہنم پر سے گزروں گا' کہ ہر شخص وہاں پر وار ضرور ہو گا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ ہوا کی رفتار سے گزر جائیں گے' بعض لڑکھڑاتے ہوئے گزریں گے' اور بعض وہیں اندر گر پڑیں گے۔ اس وقت تو اعمال ہی سواری ہوں گے' کوئی اور سواری نہ ہوگی۔ آپ اس منظر کو ذہن میں لائیں' اور چوتھی بار کہیں اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔

پانچویں بار اس آگ کو دیکھیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس کثرت اور تفصیل سے کیا ہے۔ آگ کا بستر ہے' آگ کی چھت ہے' پیپ کا پانی ہے' کانٹوں کا کھانا ہے' لوہے کے ہتھوڑے ہیں' سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جا رہا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی یاد کریں' اور پھر پانچویں بار کہیں اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔

پھر وہاں ایک عذاب اور ہے۔ یہ رسوائی اور حسرت وندامت کا عذاب ہے' یہ نفسیاتی اور روحانی عذاب ہے۔ چھٹی بار اس کا تصور کریں۔ یہ حشر سے شروع ہوگا' مثلاً' جب وہاں آپ کے سارے اعمال براڈ کاسٹ کر دیے جائیں گے (وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ) کیا آپ اس گھڑی کا سامنا کر سکتے ہیں؟ میں بھی اپنے آپ کو جانتا ہوں' آپ بھی اپنے آپ کو جانتے ہیں' کون یہ رسوائی مول لے سکتا ہے کہ اس کے سارے اعمال لاؤڈ سپیکر پر بیان ہونا شروع ہوجائیں۔ کتنی رسوائی' کتنی ذلت ہمارے حصے میں آ سکتی ہے؟ پھر وہاں زبردست ندامت وحسرت یہ ہوگی کہ

ہماری اتنی مختصر سی عمر تھی' اس کو ہم نے کیوں ضائع کر دیا۔ پھر جہنم سے نکلنا چاہیں گے تو کوئی نجات کی صورت نظر نہ آئے گی۔ جن کا مذاق اڑاتے تھے ان کو ہی عیش و آرام میں دیکھیں گے۔ آپ ذلت کا' رسوائی کا' حسرت کا' یہ عذاب یاد کریں' اور چھٹی بار کہیں اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔

اور آخر میں 'ساتویں بار آپ یہ سوچیں کہ جو کچھ کل پیش آنے والا ہے' یہ سب آج کی کمائی ہے۔ کل جتنے بھی مرحلے ہیں' یہ آسان ہوں گے تو آج کے اعمال سے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ مجھے ان اعمال سے بچالے کہ جو کل آگ بننے والے ہیں۔ پھر آپ ساتویں بار کہیں اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔

اس طرح آپ دنیا سے چلنا شروع کریں' موت کے وقت سے جہنم تک پہنچیں 'پھر واپس لوٹ کر آج کی دنیا میں آجائیں۔ یہ سفر مکمل ہو جائے گا۔

منضبط طور پر موت کے بعد اللہ سے ملاقات یاد رکھنے کے لیے پانچ وقت کی نماز' اور اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ کی (درج بالا طریقہ کے مطابق) دعا' کے علاوہ وضو بھی بہت ممد و معاون ہو سکتا ہے' اگر وضو کرتے ہوئے چند دعائیں پڑھی جائیں' زبان سے نہ ہوں تو دل ہی دل میں۔ امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" میں اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے "غنیتہ الطالبین" میں انکی تعلیم دی ہے۔

خاص طور پر

کلی کرتے ہوئے:

میرے اللہ' تیری کتاب کی تلاوت اور تجھے کثرت سے یاد رکھنے میں میری مدد کر۔

ناک میں پانی دیتے ہوئے:

میرے اللہ' میں تجھ سے دوزخ کی بدبو سے پناہ مانگتا ہوں' مجھے جنت کی خوشبو عطا کر۔

منہ دھوتے ہوئے:

میرے اللہ' جس دن منہ روشن ہوں گے' میرا منہ اپنے نور سے روشن کر' جس دن منہ کالے ہوں گے' میرا منہ کالا نہ کر۔

ہاتھ دھوتے ہوئے:

میرے اللہ' میرا اعمال نامہ میرے داہنے ہاتھ میں دینا' اور میرا حساب آسان کرنا۔

میرے اللہ' میرا اعمال نامہ میرے بائیں ہاتھ میں نہ دینا۔

سر کا مسح کرتے ہوئے:

میرے اللہ' جس دن تیرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا' مجھے اپنے عرش کے تلے

سایہ دے۔

پاؤں دھوتے ہوئے:

میرے اللہ' میرے قدم جمادے جس دن پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔

۵ - قیامِ لیل کا ایک بڑا مقصد قرآن کو ترتیل سے پڑھنا ہے' تاکہ اس کی آیات دل و دماغ اور روح میں جذب ہوسکیں۔ طویل قیام نہ کرسکنے' قرآن یاد نہ ہونے' اور عربی نہ جاننے کی وجہ سے اکثر لوگوں کے لیے اس مقصد کا حصول ممکن نہیں۔ لیکن اب جبکہ ہرایک کے پاس مطبوعہ قرآن' ترجمہ کے ساتھ' موجود ہے' ارادہ اور عزم کے ساتھ تھوڑا سا زائد وقت لگا کر آپ قرآن سے یہ فائدہ کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کرسکتے ہیں۔

اسی رمضان سے آپ طے کرلیں کہ روزانہ قرآن کی چند آیات ---- ۳ سے ۱۰ تک' جتنی بہ سہولت ممکن ہوں ---- ترجمہ سے پڑھا کریں گے۔ لفظی ترجمہ بھی پڑھیں' بامحاورہ بھی اور اس طرح پڑھیں کہ آپ جس کا کلام ہے اس کے سامنے ہیں۔ اور ایک دفعہ یہ بھی سوچ لیں کہ ان آیات میں کیا کوئی ایسی چیز ہے جو مجھے یاد رکھنا چاہیے' یا کرنا چاہیے۔ آپ ۳ آیات بھی روزانہ پڑھیں' تو تقریباً ۶ سال میں قرآن مکمل ہوجائے گا۔ ایسے ۶ سال بے کتنے عرصے اب تک گزر چکے ہیں! اور ۱۰ آیات روزانہ پڑھیں تو ۲ سال میں مکمل ہوجائے گا۔ لیکن آپ جتنا باقاعدگی سے پڑھ سکیں اس سے زیادہ بوجھ نہ اٹھائیں۔

زندگی کے ہر کام میں' اور خاص طور پر عوامی دعوت و جہاد کے ہر کام میں' اس بات کو یاد رکھنے ہی سے تعلق باللہ اور توحید کی اصل روح آپ کو حاصل ہوسکتی ہے کہ تصرف و تدبیر کا تمام اختیار اللہ اور صرف اللہ کے پاس ہے۔ ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ منصوبے آپ سب بنائیں' تدابیر آپ سب اختیار کریں' لیکن یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ میری تدبیر سے' یا تعداد سے' یا مادی اسباب سے کچھ ہوگا' کوئی دعوت قبول کرے گا' لوگ جمع ہو جائیں گے' یا کوئی کامیابی نصیب ہوجائے گی۔ اور کچھ کام بن جائے' تو یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ یہ میں نے کیا' یا یہ میری حسنِ تدبیر سے ہوا۔ اس بات کو یاد رکھیے کہ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال ۸ : ۱۷) (پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انکو قتل کیا اور اے نبیؐ' تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا)۔

توحید و توکل کی روح ترکِ اسباب نہیں' ترکِ رویتِ اسباب ہے۔ اس لیے جو کام بھی کریں' اس میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ضرور کریں' اور جو کام بھی بن پڑے' اس پر اپنی

کوششوں پر ناز کرنے کے بجائے اسی کا شکر ادا کریں۔ یہ بھی ذکر ہے' اور بہت اچھا ذکر۔

اللہ تعالیٰ سے جس تعلق کی آپ کو ضرورت ہے' اس کے لیے دو دعاؤں کے مضمون کو مطلوب و مقصود کے طور پر اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنے سے آپ کو ہمیشہ یاد رہے گا کہ کیا بننا ہے۔

۱ - اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ' وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکِذْبِ' وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ' اِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ

میرے اللہ' میرے دل کو نفاق سے پاک کردے (کہ کوئی دورنگی نہ رہ جائے)' اور میرے عمل کو ریا سے (کہ جو کچھ کروں صرف تیرے لیے کروں)' اور میری زبان کو جھوٹ سے' اور میری نگاہ کو خیانت سے (کہ تیری رضا اور وجہِ کریم سے بھٹک کر کسی اور ہی مطلوب و محبوب پر نہ جم جائے)' بے شک تو نگاہوں کی خیانت بھی جانتا ہے' اور جو کچھ دلوں میں چھپا ہوتا ہے وہ بھی۔

۲ - اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ لَکَ ذَکَّارًا' لَکَ شَکَّارًا' لَکَ رَھَّابًا' لَکَ مِطْوَاعًا' لَکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاھًا مُّنِیْبًا۔

میرے اللہ مجھے ایسا بنا دے کہ تجھے بہت بہت یاد رکھوں اور یاد کروں' اور تیرا بہت بہت شکر کروں' اور تجھ سے بہت بہت ڈرتا رہوں' اور (دوڑ دوڑ کر تجھے خوش کرنے کے لیے) وہ کام بھی کروں جو تو نے لازم نہیں کیے' اور (یہ سب کرتے ہوئے) میرا دل تیرے آگے جھکا رہے' اور (یہ سب کرنے کے بعد بھی' احساسِ تقصیر و ندامت سے لبریز) بار بار آہ آہ کرتا ہوا تیری طرف لوٹتا رہوں۔

آپ کتنے ہی مشغول و مصروف رہتے ہوں' اور آپ کا علم کتنا ہی کم ہو' درج بالا معمولات و مشاغل میں مشکل ہی سے کوئی چیز ایسی ہوگی جو آپ کے لیے کرنا ممکن نہ ہو۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ آپ کو یہ احساس ہو کہ دعوتِ عام اور اصلاحِ خلق کا جو عظیم اور پرخطر کام آپ کررہے ہیں' اس کے لیے اعتصام باللہ' اللہ تعالیٰ کی کثرت سے یاد' اس کا قرب' اور اس کے حضور قیام و مناجات بالکل ناگزیر ہیں۔ نہ کہ کسی تدبیر پر اترانا یا ہر نئی تدبیر سے بھاگنا۔ اس کے لیے پانچ وقت کی نماز سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنا' اور ان دیگر اشغال کا اہتمام کرنا جو بغیر اضافی وقت اور محنت کے بہ آسانی ہوسکتے ہیں' سب سے سہل اور کارگر نسخہ ہے اسی طرح اخلاص و للّٰہیت پیدا ہوسکتی ہے' اور آپ حنیف بن سکتے ہیں۔

تزکیہ

عربی زبان میں تزکیہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تطہیر' یعنی پاک صاف کرنا۔ دوسرے تنمیہ' یعنی نشو ونما دینا' بڑھانا اور ترقی دینا۔ پس تزکیہ نفس کا مفہوم یہ ہوا کہ نفس کو بری صفات سے پاک کیا جائے اور اچھی صفات کی آبیاری سے اس کو نشوو نما دیا جائے۔

یہ بعینہٖ وہی چیز ہے جس کو آج کل کی زبان میں تربیت اور تعمیرِ سیرت کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے' اور اس سے مقصود اس طرز کے انسان تیار کرنا مطلوب ہوتا ہے جو کسی کو مطلوب ہوں۔

اس تزکیہ و تربیت' بالفاظ دیگر' انسان سازی کی شکل متعین کرنے والی چیز' جیسا کہ ہم ان صفحات میں اس سے پہلے بتفصیل بیان کر چکے ہیں' وہ نصب العین ہے جو انسان تیار کرنے والے کے پیشِ نظر ہو۔ جیسا نصب العین اس کے پیشِ نظر ہوتا ہے ویسے ہی آدمی وہ تیار کرنا چاہتا ہے اور جیسے آدمی وہ تیار کرنا چاہتا ہے اس کے لحاظ سے وہ یہ طے کرنا چاہتا ہے کہ کونسی صفات اصل نصب العین کی ضد اور اس کے حصول میں مانع ہیں اور کونسی صفات اس سے مطابقت رکھتی ہیں اور اس کے حصول میں مددگار ہیں۔ پھر اسی کے لحاظ سے وہ ایسی تدابیر اختیار کرتا ہے جن سے غیر مطلوب صفات کو دبایا اور مٹایا جائے اور مطلوب صفات کو ابھارا اور نشوونما دیا جائے۔

اب اگر ہم اسلامی تزکیہ نفس کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اس نصب العین کو جاننا چاہیے جو انسان سازی میں اسلام کے پیشِ نظر ہے۔ اس باب میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے اپنے مدعا کی توضیح ایسے واضح طریقے سے کی ہے کہ کسی التباس و اشتباہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ (البینہ ۹۸ : ۵)

ان کو اس کے سوا اور کسی چیز کا حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی بندگی کریں' اپنی اطاعت کو

اس کے لیے خالص کرکے، پوری طرح یکسو ہو کر۔

اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بندگی کا معیار مطلوب یہ بیان فرماتے ہیں:

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

"خوبی" یہ ہے کہ تو اللہ کی بندگی اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، یا اگر اس حد تک نہیں تو کم از کم اس احساس کے ساتھ کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

پھر قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

(آل عمران ۳: ۱۰۴)

اور چاہیے کہ تم سے ایک ایسا گروہ وجود میں آئے جو نیکی کی طرف دعوت دے، بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ایسے انسان تیار کرنا چاہتا ہے جو فرداً فرداً اپنی گردن سے تمام اطاعتوں اور تمام بندگیوں کے حلقے اتار کر خالص اللہ کی بندگی و غلامی کا حلقہ کسی مجبوری کے بغیر آپ اپنی ہی رضا و رغبت سے پہن لیں، اور پھر اللہ کی اطاعت و خدمت اس نوکر کی سی انتہائی وفاداری اور خوف و خشیت اور حسنِ کارکردگی کے ساتھ کریں جو اپنے آقا کو سامنے کھڑا دیکھ کر، یا یہ محسوس کرکے کہ آقا کی نگاہ اس پر ہے، زیادہ سے زیادہ بہتر کام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ اس کی کوئی بات آقا کے غضب کی موجب نہ ہو۔ پھر اس قسم کے افراد کو جوڑ کر اسلام ایک ایسا منظم گروہ وجود میں لانا چاہتا ہے جو دنیا کو خیر کی طرف بلانے اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے اٹھے، جس کی ساری جدوجہد اور سعی و عمل صرف اس لیے ہو کہ دنیا سے فساد، جو اللہ کو مبغوض ہے، مٹ جائے اور خیر و صلاح جو اللہ کو محبوب ہے، اس کی جگہ قائم ہو، جو خیر کا علم ہاتھ میں لے کر دنیا بھر سے اس کے لیے لڑ جانے پر تیار ہو اور سارے جہان سے اس کی کشمکش اور نزاع صرف اسی ایک بات پر ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اس کے آگے سارے کلمے دب کر رہ جائیں۔

اسلام جو تزکیۂ نفس کرتا ہے وہ اسی مقصد کے لیے کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اللہ کے امتحان میں انسان کی کامیابی اور اللہ کے قرب سے اس کی سرفرازی کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ اس کی عبدیت کامل ہو اور وہ انفرادی و اجتماعی طاقت سے زمین پر اللہ کے منشاء یعنی قیامِ حسنات و ازالۂ سیئات کو پورا کرے۔ اسی مقصد کی مناسبت سے اسلام نے انسانی صفات کو محمود اور غیر محمود، اور

مطلوب اور غیر مطلوب میں تقسیم کیا ہے۔ فرد اور جماعت دونوں میں جو صفات عبدیت کی ضد ہیں اور اقامتِ حق کی سعی میں سدِّ راہ ہیں انہی کو اسلام غیر محمود قرار دیتا ہے اور انفرادی نفوس اور اجتماعی نظام کو ان سے پاک کرنا چاہتا ہے اور جو صفات عبدیت کے مقتضیات ولوازم میں سے ہیں اور جن سے اقامتِ حق کی سعی میں مدد ملتی ہے وہی اسلام کی نگاہ میں محمود ہیں اور وہ فرد اور جماعت کو ان سے آراستہ کرنا چاہتا ہے۔ قرآن و حدیث کا اگر غائر مطالعہ کیا جائے تو پوری تفصیل کے ساتھ ان صفاتِ محمودہ اور غیر محمودہ کی ایک مکمل فہرست بنائی جاسکتی ہے اور یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کون کون سی صفات کس درجہ میں محمود یا غیر محمود ہیں، اور ان تدابیر کا بھی پورا خاکہ مرتب کیا جاسکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے تزکیۂ نفوس کے لیے تجویز کی ہیں۔ یہ چیز اس قدر واضح اور مکمل طریقے سے کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ اللہ میں ہمیں مل جاتی ہے کہ اس سے باہر کہیں اور اسے تلاش کرنے کی قطعاً کوئی حاجت باقی نہیں رہتی، البتہ جس کے پیشِ نظر اسلام کے مقصد سے الگ کچھ دوسرے مقاصد ہوں وہ بلاشبہ اس منبع میں اپنی پیاس بجھانے والی چیز نہیں پاسکتا اور مجبوراً اسے دوسرے چشموں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

(ترجمان القرآن نومبر ۱۹۵۳ء)

بقیہ: امربالمعروف ونہی عن المنکر

حرکت اس سے سرزد ہوئی ہے اس سے اسے آگاہ کرو، اور جانے نہ دو جب تک کہ میرے پاس نہ لاؤ۔ جب اس شخص کا نشہ اترا تو خادم نے اس کا حال اس کو بتایا، وہ سن کر بہت شرمایا اور رو دیا۔ پھر اس نے جانا چاہا۔ خادم نے کہا کہ انہوں نے کہا ہے کہ ہمارے پاس لانا۔ خادم اسے ان کے پاس لے گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا، تجھ کو شرم نہ آئی نہ تو نے اپنی شرافت کا پاس کیا۔ تجھے یاد نہیں کہ تو کس کا لڑکا ہے۔ خدا سے ڈر اور جس برائی میں مبتلا ہے اس سے توبہ کر۔ وہ شخص گردن نیچے کیے روتا رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہا، میں نے اللہ تعالٰی سے وہ عہد کیا ہے کہ اس کے لیے میں قیامت کے دن جواب دہ ہوں گا۔ اب میں کبھی نبیذ نہ پیوں گا، نہ ان باتوں میں پڑوں گا جن کا میں مرتکب تھا، میں نے توبہ کرلی۔ آپ نے اس کو اپنے پاس بلاکر سر پر بوسہ دیا، اور فرمایا، شاباش بیٹے، یونہی کرنا چاہیے۔ اس کے بعد وہ شخص آپ کے پاس ہی رہا، اور حدیث لکھا کرتا تھا۔ یہ سب کچھ نرمی ہی کی برکت سے ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ لوگ امربالمعروف کرتے ہیں مگر ان کا معروف منکر ہوتا ہے۔ تم کو چاہیے کہ سب باتوں میں نرمی پر کاربند رہو پھر جو چاہو گے وہ حاصل ہوگا۔ (احیاء العلوم، جلد دوم، ترجمہ و تدوین: خرم مراد)

قرآن کی بعض صفات

نعیم الدین اصلاحی

(قسط ۲)

مجید

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات پورے طور پر سامنے آتی ہے کہ قرآن کو جو لوگ اللہ کی کتاب مانتے ہیں ان پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اب مختصراً یہ جان لیجئے کہ قرآن کے ساتھ چند اور الفاظ مل کر آتے ہیں۔ مثلاً سورہ ق اور سورہ البروج میں آیا ہے:

وَالقرآنِ المَجِید

بَل هُو قرآنٌ مَّجِید

مجید کے معنی

مجید کے معنی بلند' بزرگ اور اونچا کے بھی آتے ہیں اور حد درجہ سخی اور فیاض کو بھی کہتے ہیں بلکہ کلامِ عرب میں دوسرے معنوں میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

لسان العرب میں ہے:

المجد	المروۃ والسخاء	مجد کے معنی سخاوت اور آدمیت کے ہیں۔
الماجد	مفضال' کثیر الخیر	
المجید	مفضل منه	ماجد حد درجہ سخی اور فیاض کو کہتے ہیں اور مجید اسی کا مبالغہ ہے۔

غور کیجئے کہ جب ہم اس کتاب کو قرآن مجید کہتے ہیں تو ہم پر کیا لازم آتا ہے' کیا ہمارا فرض یہ نہیں بن جاتا کہ ہم اپنی ضرورتیں اور مشکلات اسی کے سامنے پیش کریں۔ کیا یہ ہمارے لیے ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگیں کیونکہ یہ کتاب اپنے پاس خزانہ رکھتی ہے اور

حد درجہ فیاض اور سخی بھی ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ وہ لوگ جو اس کتاب کو اپنی بغل میں لیے ہوئے ہیں اور پھر اپنی زندگی کی مشکلیں حل کرنے کے لیے دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں کیا وہ جھوٹے نہیں ہیں اگر اس کتاب کو قرآن مجید کہتے ہیں ؟ وہ دغا بازی کرتے ہیں اگر رزق کا خزانہ رکھتے ہوئے دوسرے دروازوں پر کاسہ گدائی لیے پھرتے ہیں۔

الکریم

قرآن مجید کی ایک صفت کریم بھی آئی ہے۔ سورہ واقعہ میں فرمایا:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (۵۶ : ۷۷)

کریم کا ترجمہ عام طور پر بزرگ سے کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں کریم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اندر وہ تمام اخلاقی خوبیاں رکھتا ہو جو ایک انسان کے اندر ہونی چاہئیں۔چنانچہ لسان العرب میں ہے :

الکریم الجامع لکل انواع الخیر والشرف والفضائل

قرآن کو کریم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے اندر وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو ایک آسمانی کتاب میں ہونی چاہئیں۔ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اپنے اخلاق کو سنوارنے اور قلب و روح کو پاکیزہ کرنے کے لیے کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

الحکیم

عربی زبان میں حکیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کی زندگی مہذب ہو' اچھے اخلاق اس سے پھوٹتے ہوں' اس کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہ ہو۔ قرآن کو حکیم کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو آدمی کے قلب میں وہ استعداد' صلاحیت' اور حکمت و بصیرت پیدا کرتی ہے جس کی مدد سے وہ ہر جگہ حق و باطل میں تمیز کر لیتا ہے۔ یہ کتاب آدمی کو وہ اصول فراہم کرتی ہے جو اس کی زندگی سنوارتے اور مہذب بناتے ہیں۔ اس کتاب کو کتابِ حکیم اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب سچی کتاب ہے' اس میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب سچی ہیں۔ جھوٹ کی آمیزش ہرگز نہیں ہے۔یہ وہ کتاب ہے جو ہمارے قضیوں اور جھگڑوں کا نہایت ہی حکمت اور بصیرت کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے۔

ان صفات کے علاوہ قرآن مجید کی کچھ اور صفات بھی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار ہوا ہے۔

النور

اس کتاب کی نہایت نمایاں اور ابھری ہوئی صفت نور ہے' نور کے معنی روشنی کے ہیں' روشنی کس لیے ہوتی ہے ؟ ہم سبھی جانتے ہیں کہ جب رات اندھیری ہو' راستہ نظر نہ آتا ہو اور ہولناک اور پر خطر بھی ہو تو ایسی حالت میں روشنی کی سخت ضرورت ہوتی ہے جس سے آدمی اپنا راستہ آسانی سے طے کرسکے۔ یہ کتاب بھی آدمی کے لیے روشنی کا کام دیتی ہے' راستہ دکھاتی ہے' مشکلوں کو حل کرتی ہے' خطرات کی جگہ سے آگاہ کرتی ہے' سفر کو آسان کرتی ہے' منزل تک پہنچاتی ہے۔

سورہ مائدہ میں فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (المائدۃ ۵ : ۱۵)

یعنی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی یعنی ایک واضح کتاب آگئی ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا :

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (النساء ۴ : ۱۷۴)

اسی طرح اس کو بہت سی جگہوں پر نور کہا گیا ہے اور قرآن میں جہاں اس کو نور کہا گیا ہے وہیں اس کا تقاضا بھی رکھ دیا گیا ہے مثلاً سورۃ التغابن میں ہے :

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (۶۴ : ۸)

اے لوگو ! اللہ اور اس کے رسول پر سچائی کے ساتھ ایمان لاؤ' خدا کی توحید اختیار کرو اور اس کے رسول کی فرمانبردارانہ اطاعت کرو اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے یعنی اس نور سے روشنی حاصل کرو" اس کے ذریعہ اپنے دل کی تاریکیوں کو دور کرو۔

سورۃ الشوریٰ میں فرمایا :

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (۴۲ : ۵۲)

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی یہ وحی وہ کتاب نور ہے جس سے آدمی سیدھے راستے پر چل سکتا ہے۔ سورہ اعراف میں اس کتاب کو نور فرمانے کے بعد اس کی پیروی کرنے پر کامیابی کی خوشخبری سنائی ہے :

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (۷ : ۱۵۷)

یعنی جو لوگ اس آخری پیغمبر پر ایمان لائیں گے اور اس کی توقیر کریں گے اور جہاد کرنے میں اس کی مدد کریں گے اور اس کی روشنی کے پیچھے چلیں گے جو اس پیغمبر پر اتاری گئی ہے تو وہی لوگ دائمی کامیابی پائیں گے۔

اس آیت میں روشنی کے پیچھے چلنا یعنی روشنی کو آگے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اس روشنی کو چھپائے اور کسی طرح اس پر پردہ ڈال دے تاکہ روشنی کے پیچھے نہ چلے بلکہ خود اس کے آگے چلے اور روشنی کو اپنے پیچھے چلائے تو وہ جھوٹا ہے جو اپنی زبان سے اسے نور کہتا ہے۔ ایسے لوگوں کی پوری زندگی تاریکیوں میں گزرتی ہے' سماج کی تاریکیوں میں' رسوم و رواج کی تاریکیوں میں' انسانی خواہشات کی تاریکیوں میں اور نہ جانے کن کن تاریکیوں میں ـــــ مگر ـــــ صد افسوس! اس پر بھی وہ اپنے آپ کو روشن ضمیر' روشن دماغ سمجھتے ہیں' اور اپنی زندگی کو کامیاب زندگی کہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے سلسلے میں قرآن کا ارشاد ہے:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ○ (سورۃ النور ۲۴ : ۴۰)

یعنی ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر کے اندر تاریکیاں ہوں' موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہوں' اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں' تاریکیوں پر تاریکیاں چھائی ہوئی ہوں' اگر اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو بھی نہ دیکھ پائے اور جس کو اللہ روشنی نہ بخشے تو پھر اس کے لیے کہاں روشنی؟

النعمۃ والرحمۃ

یہ کتاب نعمت اور رحمت بھی ہے' رحمت اس لیے کہ ان کا خالق و مالک رحیم بھی ہے' اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ اس نے اپنے بندے کو زندگی کی تاریکیوں میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑا بلکہ زندگی گزارنے کے لیے ایک اعلیٰ دستور العمل اور ایک بلند پایہ نظامِ زندگی دیا۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا:

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ (۳۶ : ۵)

یعنی یہ کتاب انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ایک غالب اور حد درجہ مہربان ہستی کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ ۞ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۞ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ○ (۵۵ : ۱ - ۴)

وہ نہایت رحم والا ہے، اسی نے قرآن کی تعلیم دی، انسان کو پیدا کیا اور اسے قوت گویائی جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی۔

اور یہ کتاب اس پہلو سے بھی رحمت ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں لوگوں کو حاصل ہوگی جو اس دنیا میں اس کتاب پر عمل کرتے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہوں گے۔

یہ کتاب نعمت بھی ہے اور سب سے بڑی نعمت کا تقاضا ہے کہ آدمی نعمت بخشنے والے کا شکر ادا کرے اور سب سے بڑی نعمت کا شکر یہ ہے کہ آدمی اس کتاب کی بتائی ہوئی راہ پر چلے اور یقین و اعتماد رکھے کہ زندگی کا وہی راستہ صحیح اور حق ہے جو یہ کتاب بتاتی ہے اور جو شخص کوئی اور راستہ اختیار کرے یا کچھ دور تک خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور پھر کہیں انسانی راستے پر چل پڑے تو وہ ناشکرا ہے اور جھوٹا ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ کتابِ ہدایت ہمارے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔

حبل اللہ

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً (۳ : ۱۰۳)

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

اس آیتِ کریمہ میں حبل اللہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا معنی کیا ہے؟ اس کی وضاحت خود پیارے رسولؐ نے فرما دی ہے:

القران حبل اللہ المتین لا تنقضی عجائبہ ولا یخلق عن کثرۃ الرد من قال بہ صدق ومن عمل بہ رشد ومن اعتصم بہ ھدی الی صراط مستقیم (الکشاف ج ۹، ص ۳۰۶)

قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوسکتے اور یہ ایسا لباس ہے جو کثرتِ استعمال سے پرانا نہیں ہوتا ہے۔ اور جس کی گفتگو اس کے مطابق ہوگی وہ سچا ہوگا، جو اس پر عمل کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو اس کی پناہ میں آئے گا اس کو صراط مستقیم کی ہدایت ملے گی۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو شریح خزاعی فرماتے ہیں:

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الیس تشھدون ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ قالوا بلی! قال ان ھذا القران طرفہ بید اللہ وطرفہ بایدیکم

فتمسکوا بہ فانکم لن تضلوا و لن تھلکوا ابدا۔

ایک دن نبیؐ اپنے حجرے سے نکل کر ہم لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا تم لوگ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کیا گواہی نہیں دیتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ لوگوں نے جواب دیا ہاں ہم لوگ ان دونوں کی گواہی دیتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا دیکھو اللہ کی کتاب ---- قرآن ---- کا ایک سرا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ پس قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا تو نہ کبھی گمراہ ہوگے نہ تباہ ہوگے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا جلیل احسن ندوی فرماتے ہیں:

یہ حدیث قرآن مجید میں واعتصموا بحبل اللّٰہ کی بہترین تفسیر کرتی ہے: قرآنِ مجید دراصل ایک رسی ہے جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا اہلِ ایمان کے ہاتھوں میں ہے۔ جب تک مسلمان اس کو مضبوطی سے تھامے رکھیں گے انھیں خدا کی مدد ملتی رہے گی اور دنیا میں بھی عزت و سربلندی اور آخرت میں بھی ابدی راحت نصیب ہوگی۔ "حبل" کے معنی معاہدے کے بھی آتے ہیں اور معلوم ہوا معاہدہ ایک طرفہ نہیں ہوتا۔ بس حضورؐ کے ارشاد کا مدعا یہ ہے کہ قرآن دراصل ایک عہدنامہ ہے۔ یہ ایک معاہدہ کی دستاویز ہے جو مسلمانوں اور رب کائنات کے درمیان طے پایا ہے۔ اس دستاویز میں دو موٹی دفعات ہیں۔ پہلی دفعہ مسلمانوں کے متعلق ہے اور دوسری دفعہ کا تعلق خدا سے ہے۔ مسلمانوں سے متعلق دفعہ میں تحریر ہے کہ اے اللہ ہم تیری کتاب کی روشنی میں زندگی گزاریں گے، تیرے جملہ احکام کو مانیں گے، تیرے بندے بن کر جئیں گے، اور تیری بندگی کی حالت میں مریں گے۔

اور خدائی دفعہ میں درج ہے کہ جب تک تم عہد پر قائم رہو گے تب تک میں دنیا میں تمہارا حامی و ناصر رہوں گا، دشمن کے مقابلے میں تم کو غالب و کامران بناؤں گا۔ لیکن اگر تم نے اپنے عہد میں خیانت کی تو بقدرِ خیانت میری حمایت و نصرت سے محروم ہوجاؤ گے اور عہد شکنی کی تو میری حمایت و نصرت سے کُلّی طور پر محرومی تمہارا مقدّر بن جائے گی۔" (سفینۂ نجات، ص ۳۴)

الذکر

قرآن مجید اپنی ایک صفت ذکر اور ذوالذکر بھی بتاتا ہے۔ ذکر کے معنی یاد دلانے کے ہیں۔

یعنی آدمی کے خمیر میں جو باتیں گوندھ دی گئی ہیں اور جنہیں وہ اس دنیا میں پھنس کر بھول گیا ہے۔ انھیں باتوں کو یہ کتاب یاد دلاتی ہے۔ اوپر سے کوئی چیز آدمی پر نہیں لادتی بلکہ جو کچھ انسانی فطرت میں ہے اس کو ابھارتی ہے اور اس کی تفصیلات پیش کرتی ہے۔ آدمی کی فطرت میں توحیدِ خالص رکھ دی گئی ہے اور اس کی جڑیں انسانی فطرت میں اتنی گہری ہیں کہ کوئی چیز بھی اب تک اکھاڑ نہیں سکی ہے۔

یہ کتاب --- قرآنِ مجید --- اس کو' جو کبھی دنیا میں پھنس جانے کی وجہ سے دب جاتا ہے۔ زمین و آسمان کی نشانیوں کے ذریعہ ابھارتی ہے' اور صحیح طور پر استعمال کرنے کی تفصیلات پیش کرتی ہے۔

یہ کتاب اس بات کو بھی بار بار بیان کرتی ہے کہ انسان اس کائنات میں اشرف المخلوقات ہے۔ دنیا کی ساری چیزیں اسی کی خدمت پر مامور ہیں۔ آفتاب و ماہتاب کی گردش' رات اور دن کا آنا جانا' ہواؤں کا چلنا' بادلوں کا مینہ برسانا' پھر کھیتوں کا سرسبز و شاداب ہونا' باغ و چمن' دریا اور پہاڑ' نیلا آسمان' چمکتے تارے' نسیم سحری' پھولوں کی خوشبو' پرندوں کے نغمے سب اسی گل سرسبد --- انسان --- کی نفع رسانی کے لیے ہیں۔ ان میں سے کوئی شے بھی انسان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی' اور پھر انسان کی کتنی بڑی نادانی ہے کہ عظمت و سربلندی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے اور وہ حقیر سے حقیر مخلوق کے سامنے جھکتا ہے۔

یہ کتاب گزشتہ قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ اور ان کے اچھے اور برے اعمال اور ان کے نتائج کو بڑی قوت کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ اس پہلو سے بھی قرآن کو ذکر یا ذوالذکر کہا گیا ہے۔

الشفاء

قرآن کی ایک صفت الشفا بھی ہے۔ سورہ یونس میں ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (۱۰ : ۵۷)

اے لوگو ! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت' سینوں کے امراض کے لیے شفا اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت و رحمت آگئی ہے۔

شفا کے معنی "اچھا کرنے" اور بیماری دور کرنے اور سکون بخشنے کے ہیں۔ بیماریاں دو طرح کی

ہوتی ہیں۔ ایک وہ بیماری جو انسان کے جسم کو لاحق ہوتی ہے اور چونکہ ہلکی اور معمولی ہوتی ہے اسی لیے اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل کے حوالے کردیا' یعنی انسان کو اپنی عقل کی مدد سے اپنی جسمانی بیماریوں کے سلسلے میں سوچنا ہے' اس کی تدبیر کرنی ہے اور پھر اس کا علاج کرنا ہے۔ دوسری قسم کی بیماریاں ہیں جو انسان کی روح اور اس کے اخلاق کو لگتی ہیں۔ یہ بیماریاں سخت پیچیدہ ہوتی ہیں اور ان کا علاج عقلِ انسانی کی دسترس سے باہر ہوتا ہے۔ عقل میں سرے سے یہ صلاحیت ہی نہیں کہ وہ ان بیماریوں کی صحیح تشخیص کرسکے اور مکمل اور کامیاب نسخہ لکھ سکے۔ اس لیے خدائے علیم و خبیر نے ان بیماریوں کا علاج اپنے ذمہ لیا ہے اور اس کے لیے اس نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں۔

یہ کتاب قرآن مجید انسانی بیماریوں کا علاج کرتی ہے۔ ان کی فکری بیماریوں کو دور کرتی ہے۔ امن کی طاقت بخشتی ہے۔ نڈھال آدمی کو بھلا چنگا کرتی ہے' لاغری اور کمزوری کو دور کرتی ہے اور آدمی کو اوہام و خرافات اور بت پرستی کے اندھیروں سے نکالتی ہے اور انسانوں کے درمیان اتفاق اور بھائی چارے کا تعلق قائم کرتی ہے' پھر ایمان لانے والوں کے دلوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کا علاج کرتی ہے' سخت' پریشان کن اور غیر یقینی حالات میں ان کے دلوں کو سکون بخشتی ہے۔ جو فرد اور گروہ بھی اس نسخے پر عمل کرے گا اس کے قلوب و اذہان ہر طرح کی خرابیوں اور بیماریوں سے پاک ہوجائیں گے۔

آیت کریمہ میں (شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ) ہے۔ فی الصدور کی وضاحت کرتے ہوئے امام الہند مولانا آزاد فرماتے ہیں:

> یاد رہے کہ عربی میں قلب' فواد اور صدور کے الفاظ جب کبھی ایسے مواقع پر بولے جاتے ہیں جیسا کہ یہ موقع ہے تو انؐ سے مقصود انسان کی معنوی حالات ہوتی ہے۔ یعنی ذہن و فکر کی قوت' عقل و ادراک 'جذبات و عواطف' اخلاق و عادات' اندرونی حسیات۔

وہ عضو مقصود نہیں ہوتا جو فنِ تشریح کا دل اور سینہ ہوتا ہے۔ بس دل کی شفا کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فکری و اخلاقی حالت میں جس قدر مرض ہوسکتے ہیں۔ ان سب کے لیے یہ نسخۂ شفا ہے۔ یہ قرآن کے اوصاف کا محض مدعیانہ اعلان ہی نہ تھا بلکہ اس کی صداقت کی سب سے زیادہ موثر دلیل بھی تھی۔ اگر ایک شخص دعویٰ کرلے کہ وہ طبیب ہے تو سب سے زیادہ سہل اور قطعی ذریعہ اس کی جانچ کا یہ ہوگا کہ دیکھا

جائے کہ اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں۔ اگر تم دیکھو کہ موت کی آغوش میں پہنچے ہوئے بیمار اس کے شفا خانہ میں داخل ہوئے اور تندرست ہو کر نکلے تو تسلیم کرلو گے کہ یہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔

قرآن نے بھی جابجا یہی جانچ اپنے منکروں کے سامنے پیش کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میں نسخہ شفا ہوں اور ثبوت میں مومنوں اور متقیوں کی جماعت پیش کردی جو اس کے دارالشفاء میں تیار ہوئی تھی کہ دیکھ لو کہ یہ تندرست ہوئے ہیں کہ نہیں ؟ آج بھی اس کی دلیل اسی طرح قطعی ہے جس طرح عہدِ نزول میں تھی۔ اگر اس نے عربِ جاہلیت کے مریضانِ روح و دل میں سے ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ خالدؓ سلمانؓ ابوذرؓ وغیرہم جیسی تندرست روحیں پیدا کردی تھیں تو کیا اس کے نسخہ شفا ہونے میں شک کیا جاسکتا ہے ؟ (ترجمان القرآن، ج ۳، ص ۲۳ - ۵۲۲)

آج پوری دنیائے انسانیت سخت اور پیچیدہ، روحانی اور اخلاقی بیماریوں کی لپیٹ میں ہے۔ دور دور تک تندرستی، صحت اور شفاء کی کوئی علامت نظر نہیں آرہی ہے اور دنیا کے بڑے بڑے مفکرین جس قدر اس کے علاج کی کوشش کررہے ہیں مرض بڑھتا ہی چلا جارہا ہے اور حیرت تو یہ ہے کہ مریض تھک ہار کر پھر اسی عطّار سے دوا لینے پر مجبور ہے جس نے اسے مہلک بیماری میں ڈالا ہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے ؟ کیا اس کی وجہ اس کے علاوہ بھی کوئی ہوسکتی ہے کہ وہ ماہر اور حاذق طبیب جو لوگوں کی بیماریوں کا واحد علاج تھا اس نے اپنی دکان ہی سمیٹ لی ۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

اگر آج عالمِ اسلام نے اپنی روحانی اور اخلاقی صحت مندی کا ثبوت دیا ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ روس سے چھٹکارا پانے والی مسلم ریاستیں پھر اپنے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کے حل کے لیے مغربی تمدن و معاشرت کو اپنے لیے پسند کرتیں۔ (جاری ہے)

بقیہ : مولانا سید احمد عروج قادری مرحوم

کر اپنے خالق کے حضور جا پہنچے۔ کچھ عرصہ پہلے دورانِ سفر جو حادثہ ان کو پیش آیا وہ فی الحقیقت سفرِ آخرت کی تمہید تھا اور اس دنیا میں ان کی آخری آزمائش بھی۔ اللھم اغفرلہ وتقبل حسناتہ !

مولانا مرحوم کا خیال آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی علامہ اقبال کے یہ دو شعر سطحِ ذہن پر ابھر آتے ہیں

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں، وہ طوفان

مولانا سید احمد عروج قادریؒ مرحوم

(ایک شناسا کے تاثرات)

سید معین الدین احمد قادری

(دوسری و آخری قسط)

ملفوظات کے ایک متوسط تعارف اور ان چیزوں کے نقل کرنے کے بعد جو عقل و نقل کے موافق ہیں۔ دوسرے رخ پر بھی تبصرہ ملاحظہ ہو:

صلوٰۃِ معکوس

ملفوظات میں حضرت شیخ کی جانب سے شیخ ابوالخیرؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کے بارے میں جو چیزیں مجھ تک پہنچیں ان سب پر میں نے عمل کیا۔ یہاں تک کہ میں نے معلوم کیا کہ حضرت رسالتؐ نے کسی وقت نمازِ معکوس بھی پڑھی ہے۔ اس کے بعد میں نے پاؤں میں رسی باندھی اور ایک کنوئیں میں اپنے آپ کو الٹا لٹکایا اور اسی ہیئت میں نماز پڑھی"۔

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد شیخ نے مرتب ملفوظات کی طرف رخ کرکے فرمایا "اگرچہ اللہ کا فیض نازل ہو رہا ہے لیکن خود جدوجہد کرنی چاہیے۔"

تبصرہ: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نمازِ معکوس کا انتساب قطعاً" غلط ہے۔ اس قسم کی ریاضت غیر قوموں سے تصوف میں داخل ہوئی اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے حدیث گھڑ لی گئی۔ بہت افسوس ہے کہ **واضعینِ** حدیث نے نماز تک کو نہیں بخشا"۔

کار براری کے لیے قبر پر حاضری

ایک بڑے بزرگ شیخ نظام الدین ابوالموید کے بارے میں شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا

(فارسی عبارت کا ترجمہ) کہ "وہ بار بار کہا کرتے کہ میری وفات کے بعد جس کو کوئی مہم درپیش ہو تو اس سے کہو کہ تین دن میری زیارت کو آئے۔ اگر تین دن گزر جانے کے بعد بھی وہ کام پورا نہ ہو تو چار دن آئے اور اب بھی کام نہ نکلے تو پانچویں دن میری قبر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے"۔

تبصرہ: "بزرگوں کے اسی قسم کے دعوے ہیں جنہوں نے مسلمان عوام کی نظروں میں بزرگوں کی قبروں کو مسجدوں سے زیادہ اہم بنا دیا ہے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**"

احادیث

حدیث میں آیا ہے کہ: "ایک جماعت وہ ہوگی جس کو زنجیر سے باندھ کر جنت میں لے جائیں گے" (۱۵۲)۔ "حسب معمول کوئی حوالہ نہیں"۔

فوائد الفوائد ہی میں دوسری جگہ: "حضرت معروف کرخی کو قیامت میں جب اللہ فرمائے گا کہ جنت میں جاؤ تو کہیں گے کہ میں نے آپ کی عبادت جنت میں جانے کے لیے نہیں کی تھی۔ وہ جب اپنے انکار پر اصرار کریں گے تو فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان کو نور کی زنجیر میں باندھ کر جنت میں داخل کریں"۔ (۱۸۵)

تبصرہ: "بات یہ ہے کہ پہلے اخلاص و للّٰہیت کا یہ تصور قائم کیا گیا ہے کہ جو طاعت کی جائے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہونی چاہیے' اگر عبادت و طاعت دوزخ کے عذاب سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کے لیے کی جائے تو حقیقی معنی میں وہ مخلصانہ نہیں ہوگی۔ یہ اخلاص کا ادنیٰ درجہ ہوگا۔ اسی تصور کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اوپر والی حدیث وضع کی گئی۔ پھر یہ واقعہ گھڑ لیا گیا۔"

صوفیہ کے یہاں خرقہ دینے کا قاعدہ

"مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شبِ معراج میں خرقہ ملا تھا' اس خرقہ کو خرقۂ فقر کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے صحابہؓ کو طلب کیا اور فرمایا کہ مجھے خرقہ ملا ہے اور مجھے حکم ہے کہ میں وہ خرقہ کسی ایک شخص کو دوں۔ میں اپنے ساتھیوں سے ایک سوال کروں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ جو شخص سوال کا وہ جواب دے جسے میں جانتا ہوں' یہ خرقہ اسی کو دوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ جواب کون شخص دے گا۔ اس کے بعد آپؐ نے ابو بکرؓ کی طرف چہرہ کر کے پوچھا: اگر میں تم کو یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟

ابو بکرؓ: میں سچائی برتوں گا' اطاعت کروں گا اور سخاوت کروں گا۔

یہی سوال آپؐ نے عمر بن الخطابؓ سے کیا۔
عمر بن الخطابؓ: میں انصاف کروں گا اور انصاف کا لحاظ رکھوں گا۔
یہی سوال عثمان غنیؓ سے کیا گیا تو ان کا جواب تھا۔
عثمان بن عفانؓ: میں انفاق کروں گا اور سخاوت برتوں گا۔
یہی سوال کیے جانے پر حضرت علیؓ نے جواب دیا۔
علی کرم اللہ وجہہ: میں پردہ پوشی کروں گا اور بندگان خدا کے عیب کو چھپاؤں گا۔
آپؐ نے فرمایا: "میں نے خرقہ تم کو دیدیا کیونکہ مجھے حکم ہوا تھا کہ جو شخص یہ جواب دے۔ میں یہ خرقہ اسی کو دوں"۔ (۱۹۶)

تبصرہ: "یہ حکایت کسی شیعہ نے گھڑی ہے یا کسی سادہ لوح صوفی نے۔ اسی قسم کی جعلی حکایتوں نے بہت سے اہلِ علم کو مطلق تصوف کے انکار پر آمادہ کیا ہے۔ وضع کرنے والا تو مجرم ہے ہی لیکن جب خرقہ کے ثبوت میں حضرت نظام الدین اولیاء جیسے اہلِ تصوف بزرگانِ دین بھی اس کو بیان کریں تو آخر آدمی کیا سمجھے۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ مروجہ تصوف اسی طرح کی حکایتوں پر مبنی ہے تو کیا غلط سمجھتا ہے ؟"۔

بزرگوں کے سامنے سجدۂ تعظیمی

"اس پر بات چلی کہ مریدان، مخدوم کی خدمت میں آتے ہیں اور اپنا سر زمین پر رکھتے ہیں۔ خواجہ ذکرہ بالخیر نے فرمایا، میں چاہتا تھا کہ مخلوق کو اس سے منع کروں لیکن چونکہ میرے شیخ کے سامنے ایسا کیا گیا ہے اس لیے میں نے منع نہیں کیا"۔ (۲۱۵)

تبصرہ: "یہاں اپنے شیخ کے اسوہ کو بطور عذر پیش کیا ہے لیکن فوائد الفواد ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اس کو مباح سمجھتے تھے۔ (ص ۱۵۹)

اب اگر بزرگوں کے "عقیدت مند" عوام، بزرگوں یا ان کی قبروں کے سامنے سجدے کرتے ہیں تو قصور کس کا ہے ؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپؐ کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ جب آپؐ تشریف لائیں تو صحابہؓ آپؐ کے احترام میں کھڑے ہو جائیں، لیکن آپؐ کے اتباع کا دعویٰ کرنے والے اور اپنے تصوف کو مقید بہ کتاب و سنت قرار دینے والے بزرگوں نے اپنے سامنے سجدے کو بھی مباح سمجھ رکھا تھا۔ اس فعل کی خواہ کتنی تاویل کی جائے یہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہی رہے گا۔

جو چیزیں پیش کی گئی ہیں، نمونے ہی کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ اس طرح کی تمام چیزوں کا

احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔

مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ تصوف کی کتابوں میں اس طرح کی غلط چیزیں بھی بھری پڑی ہیں اور افسوس یہ ہے کہ ان غلط چیزوں کو اولیاء کی عقیدت میں صحیح سمجھا جاتا ہے۔ مسلم معاشرے میں جو بدعات پھیلی ہوئی ہیں ان کا بڑا ماخذ یہی کتابیں ہیں۔"

۳۔ مکتوباتِ امام ربانی

تعارف: پہلی دو تصانیف کی مانند ابتداء میں مکتوبات کا بھی مختصر تعارف' اس کے ہر سہ حصص کے مندرجات کی ایجاز و اختصار کے ساتھ نشاندہی اور مختلف عنوانات کے تحت تبصرہ:

"حضرت شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ' جن کے القاب میں مجدد الف ثانی اور امام ربانی بہت مشہور ہیں' نے جو مکتوبات لکھے تھے ان کو تین دفاتر یا تین جلدوں میں مرتب کیا گیا ہے۔ میرے سامنے اس کا وہ نسخہ ہے جو مطبع نامی منشی نول کشور واقع کانپور میں چھپا تھا۔ پہلے دفتر میں ۳۱۳ دوسرے میں ۹۹ اور تیسرے میں ۱۲۲ مکتوبات ہیں۔ تمام مکتوبات ۵۳۴ ہے"۔

"ان مکتوبات میں جو مضامین ہیں انہیں تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ سنتِ نبوی کے اتباع کی ترغیب' تلقین اور تاکید پر مشتمل ہے۔ اسی حصے میں یہ بات کئی دفعہ کہی گئی ہے کہ طریقت شریعت کی تابع ہے اور حقیقت یا تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ دوسرے حصے میں امرائے حکومت کو دین داری اور دین کی ترویج پر ابھارا گیا ہے اور تیسرا حصہ فلسفیانہ تصوف کے لیے مخصوص ہے"۔

مضامین کے اعتبار سے یہ تقسیم مولاناؒ کی ہے۔ ہر سہ دفاتر مضامین کے اعتبار سے مرتب و منقسم نہیں ہیں۔ تینوں حصے مکتوبات کے تینوں دفاتر میں مشترک اور مخلوط ہیں ۔ مزید یہ کہ پہلے اور دوسرے حصے ـــــ سنتِ نبوی کے اتباع کی ترغیب' تلقین اور تاکید' امرائے حکومت کو دینداری اور دین کی ترویج کی نصیحت ـــــ کی مقدار تیسرے حصۂ مضامین کے مقابلے میں کم ہے۔ "مکتوبات کا بڑا حصہ فلسفیانہ تصوف ہی پر مشتمل ہے"۔ ظاہر ہے مضامین کے تناسب کی اس نوعیت کو فلسفیانہ تصوف کے حق میں جانا چاہیے۔

اتباعِ سنت کی تلقین کے باوجود مکتوبات میں چند نمایاں چیزیں ایسی ہیں جن کا اتباعِ سنت سے کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا۔ مولانا عروج قادری مرحوم نے پیش نظر تصنیف میں ان کی نشاندہی کی ہے۔ ایک ذکرِ لسانی ہے' دوسرے تشہد میں اشارے کی بحث اور تیسرے عارف کے دائرہ شریعت

سے نکل جانے کا متصوفانہ نکتہ' مولانا نے کتاب و سنت کے حوالے سے مکتوبات میں اختیار کردہ موقف کی تردید کی ہے اور حق گوئی اور علمی ثقاہت کی اپنی ہر دو امتیازی صفات کا حق ادا کرنے میں تامل یا کوتاہی کو دخل پانے نہیں دیا ہے۔ ایجاز و اختصار کے ساتھ ہر سہ موضوعات پر مولانا کے اشارات اور تردیدی تبصرے درج ذیل ہیں۔

مولانا تحریر کرتے ہیں : "اس حقیر کے مطالعہ مکتوبات کے درمیان چند نمایاں چیزیں ایسی بھی آئی ہیں جن کا اتباعِ سنت سے کوئی ربط نہیں ہو سکا۔ میں انھیں چیزوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں اور مقصد یہ ہے کہ مکتوبات کی یہ چیزیں بھی اہلِ علم کے سامنے آجائیں کیونکہ بزرگانِ دین کے سوانح نگار عام طور سے تصویر کا صرف ایک رخ سامنے لانے کے عادی ہیں۔" اس تمہید کے بعد مولانا نے مختلف عنوانات کے تحت مکتوبات کے مندرجات کا ذکر کرتے ہوئے ان پر تبصرہ کیا ہے۔

سنت کو بدعت قرار دینا

"سب سے پہلے جس سے ذہن کو جھٹکا لگا' یہ ہے کہ شیخ سرہندی نے ذکرِ جہر کو بدعت منکر قرار دیا ہے"۔ بعد ازاں مکتوبات (۲۳۱ ج ۱ ص ۲۴۶) سے فارسی عبارت کا ترجمہ تحریر کرنے کے بعد تبصرہ کیا ہے۔ عبارت یہ ہے "آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل دو قسم کا ہے۔ بر سبیلِ عبادت ہے یا بطریقِ عرف و عادت' ——— جو عمل بر سبیلِ عبادت ہے اس کے خلاف کو میں بدعتِ منکر جانتا ہوں اور اس سے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ یہ دین میں نئی بات پیدا کرتا ہے اور یہ مردود ہے" ۔ یہ بات شیخ سرہندی نے ایک معتمدِ خاص کے یہ دریافت کرنے پر کہی تھی کہ "آپ ذکرِ جہر کو بدعت قرار دے کر اس سے منع کرتے ہیں حالانکہ اس سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے تو پھر ان چیزوں سے کیوں منع نہیں فرماتے جو آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھیں' لباسِ خرجی' شال' سراویل"۔

تبصرہ و تنقید : "اگر جہر سے مراد چیخنا چلانا ہو اور جہرِ مفرط کے ساتھ ذکر اللہ کو منع کیا جائے تو بات ٹھیک ہے کیونکہ جہرِ مفرط کے ساتھ ذکر کی ممانعت قرآن میں بھی ہے اور احادیث میں بھی ——— لیکن نقشبندیہ سلسلے میں ذکرِ جہر سے مراد ذکرِ لسانی ہے۔ اس سلسلۂ تصوف میں ذکرِ قلبی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اپنے اکابر سلسلہ کی تقلید میں شیخ سرہندیؒ نے ذکرِ لسانی کو بدعتِ منکر قرار دیا ہے ——— جو چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہو اور نقشبندیہ سلسلے کو چھوڑ کر دوسرے سلاسلِ تصوف میں بھی رائج ہو اس کو بدعتِ منکر قرار دینا قرآن و حدیث کے خلاف ایک جسارت ہے یا نہیں ؟

نماز جو افضل العبادات اور ذکر و شکر کا سب سے بڑا مظہر ہے اور ذکر اللہ ہی کے لیے اس کی اقامت کا حکم دیا گیا ہے' اس کو دیکھیے تو پانچ وقت کی نمازوں میں تین وقت کی نمازیں جہری ہیں اور دو وقت کی سری ---- جہر کی کم سے کم حد یہ ہے کہ قرات کی آواز بغل کے لوگ سن لیں اور سری کے معنی یہ ہیں کہ پڑھنے والا زبان سے اس طرح قرات کرے کہ وہ خود اپنے آپ کو سنا رہا ہے"۔

قرآن و احادیث میں ذکرِ لسانی کا حکم

سری کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قراتِ قرآن اور دوسرے اذکار و تسبیحات' زبان ہلائے بغیر محض دل میں پڑھے جا رہے ہوں ' اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ نماز شروع سے لے کر آخر تک ذکرِ لسانی پر مشتمل ہے۔ حج کو دیکھیے تو اس کے تمام اذکار زبان سے ادا کرنا ضروری ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص احرام کے وقت لبیک صرف اپنے دل میں پڑھ لے تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ خود قرآن کو بہت سی آیتوں میں ذکر کہا گیا ہے۔ اس کی تلاوت و قرات زبان سے ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص دل ہی دل میں قرآن پڑھ لے تو اس پر تلاوت کا اطلاق نہ ہوگا ---- قرآن و احادیثِ صحیحہ کے نصوص ذکرِ لسانی کے حکم اور اس کی ترغیب میں اتنی کثرت سے ہیں کہ انہیں یہاں پیش کرنا لا حاصل ہے ---- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اذکار کی تعلیم دی ہے اور محدثین نے انہیں کتاب الاذکار میں جمع کردیا ہے۔ وہ سب ذکرِ لسانی ہیں۔ بلاشبہ قلبِ غافل کے ساتھ محض ذکرِ لسانی پر ذکر اللہ کے روحانی فوائد مترتب نہیں ہوتے' اس لیے زبان سے ذکرِ الٰہی کے جو کلمات ادا ہوں' قلب میں ان کا شعور و استحضار ہونا چاہیے' لیکن ذکرِ لسانی کو بدعت قرار دینا شریعتِ اسلامی کے مقابلے میں ایک دوسری شریعت پیش کردینے کے مترادف ہے"۔

"مکتوبات میں کوئی ضعیف حدیث بھی اس بات کے ثبوت میں نہیں پیش کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے مطلقاً ذکرِ جہر یا ذکرِ لسانی سے اجتناب فرمایا ہے۔ خواجہ نقشبند نے ذکرِ جہر یا ذکرِ لسانی کو بدعت قرار دیا تھا۔ بس اسی دلیل کو کافی قرار دے لیا گیا۔ اس روش کے ساتھ اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید مضحکہ انگیز بن جاتی ہے۔ ذکر لسانی سے بعد مبالغہ آمیز انتہا پسندی کی صورت اختیار کرگیا تھا حتیٰ کہ کھانے کی ابتداء میں کسی شخص کا باآواز بلند بسم اللہ پڑھنا ایک گناہ بن گیا تھا۔ ایک مکتوب میں شیخ سرہندیؒ نے لکھا:

"میں حضرت ایشاں (غالباً حضرت باقی باللہ) کی خدمت میں حاضر تھا۔ ان کے ایک مخلص مرید

شیخ کمال نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بآواز بلند بسم اللہ کہی۔ یہ بات انھیں ناگوار ہوئی۔ شیخ کمال کو ڈانٹا 'یہاں تک کہ یہ فرمایا کہ وہ میرے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہوا کریں"۔ (مکتوب ۲۶۶ ج ا)

مولانا عروج قادری مرحوم نے "صرف ایک حدیث" کے زیر عنوان یہ حدیث حوالے کے ساتھ نقل کی "ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابوابِ خیر کثیر ہیں اور میں سب کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیں کہ میں اسے مضبوطی سے تھام لوں اور وہ مختصر ہو تاکہ میں نہ بھولوں۔ اس درخواست کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لایزال لسانک رطبا بذکر اللّٰہ** (تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے)۔ (جمع الفوائد بحوالہ ترمذی)

حدیث نقل کرنے کے بعد یہ تبصرہ بھی لکھا ہے: "حدیث کے کسی مجموعے میں کتاب الذکر کا مطالعہ کیجیے اور پھر یہ دیکھیے کہ شیخ سرہندیؒ نے ذکرِ لسانی کو بدعتِ منکر قرار دے کر کیا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

تشہد میں اشارے کی بحث

تشہد میں اشارے پر بحث کے بعد شیخ سرہندیؒ نے اپنا جو فیصلہ سنایا ہے وہ یہ ہے:

"ہم مقلّدوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ احادیث کے مقتضی پر عمل کرکے تشہد میں اشارہ کرنے کی جرات کریں اور اتنے کثیر علمائے مجتہدین کے فتاویٰ کی بناء پر حرام اور ممنوع کام کے مرتکب ہوں"۔

اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے تحریر فرمایا "جب شیخ احمد سرہندی جیسے لوگ بھی احادیث کے مقتضی پر عمل نہیں کرسکتے بلکہ ان کے لیے بھی فقہاء کے فتاویٰ پر عمل کرنا ضروری ہے تو پھر وہ کون لوگ ہیں جن کو اتباعِ سنت کی تلقین انہوں نے کی ہے نیز یہ کہ پھر اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید کے معنی کیا ہیں؟ ——— شیخ سرہندیؒ نے تشہد میں اشارہ کو حرام اور مکروہ قرار دینے والے فقہاء کی حمایت میں یہ کہا ہے کہ ان اکابرِ دین کے ساتھ ہمارا حسنِ ظن یہ ہے کہ جب تک ان پر حرمت یا کراہت کی دلیل واضح نہ ہوگئی ہوگی انہوں نے اس کا فتویٰ نہیں دیا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اشارے کے مسنون و مستحب ہونے کے اقوال نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ کرنا حرام ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم دلیلِ حرمت سے ناواقف ہیں اور اس بات سے اکابر کے احترام میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا۔ شیخ سرہندیؒ کا

یہ استدلال پڑھ کر حیرت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تقلیدِ جامد کے ساتھ اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید بے معنی ہو کر رہ گئی ہے"۔

حضرت عیسیٰؑ مذہبِ حنفی پر عمل کریں گے

مذکورہ بالا عنوان کے ماتحت مولانا نے مکتوب ۱۷ ج ۳ ص ۲۶ کی عبارت (اردو ترجمہ) نقل کی۔ عبارت یہ ہے:

"حضرت خواجہ پارسا جو حضرت خواجہ نقشبندیہ قدس اللہ سرہما کے کامل و مکمل خلفاء میں ہیں اور عالم و محدث ہیں، انہوں نے بھی اپنی کتاب "فصولِ ستہ" میں نقل معتمد درج کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام آسمان سے اترنے کے بعد امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور انہوں نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے اس کو حلال قرار دیں گے اور جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اس کو حرام قرار دیں گے"۔

بعد ازاں یہ تبصرہ: مطلب یہ ہوا کہ شریعت خاتم الرسل کی جو تعبیر امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے اور اس سے جو مسائل انہوں نے مستنبط کیے ہیں حضرت عیسیٰؑ اسی پر عمل فرمائیں گے۔ یہ بات جس نقلِ معتمد کے حوالے سے کہی گئی ہے، مکتوب میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ غالباً اس سے مراد کسی بزرگ کا قول ہے کیونکہ جو بات خواجہ محمد پارسا نے لکھی ہے اور جس کی تائید شیخ سرہندیؒ نے کی ہے وہ نہ قرآن میں مل سکتی ہے اور نہ حدیث میں، اس لیے کہ مذاہب فقہیہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اتباعِ سنت کے مقتداء اور امام سمجھے جانے والے صوفیہ اعتقادیات میں بھی کتاب و سنت کے دلائل سے بے نیاز ہیں"۔

اتباع سنت کی تلقین کا مفہوم کیا ہے؟

شیخ سرہندیؒ کے نزدیک اتباعِ سنت کا مفہوم کیا ہے اور کس چیز کی "اتباعِ سنت" کے نام سے انہوں نے تلقین و تاکید کی ہے، اس کی وضاحت خود شیخ سرہندیؒ کی تصریحات کے روشنی میں یہ ہے۔ مولانا عروج قادری مرحوم تحریر کرتے ہیں:

"تصوف کے متعدد خانوادوں اور سلسلوں میں محفلِ سماع کے انعقاد اور اس میں وجد و رقص کا رواج تھا۔ اسی طرح ان کے یہاں باآواز ذکر اور ضرب پر عمل کیا جاتا تھا اور ذکرِ جہر و ضرب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ دوسری طرف سلسلۂ نقشبندیہ میں سماع اور وجد و رقص بھی ممنوع تھا اور ذکرِ جہر و قلب پر ذکر کے ضرب کا طریقہ بھی نہ تھا۔ اس سلسلے کے اکابر ان سب چیزوں کو سنت کے خلاف سمجھتے تھے۔ جب شیخ سرہندیؒ اس سلسلے میں داخل ہوئے۔ اس کی تعلیمات حاصل کیں

اور اس سلسلے کے سجادہ مشیخت پر جلوہ فرما ہوئے تو اپنی افتادِ طبع کے مطابق اس سلسلے کو دوسرے سلاسلِ تصوف سے برتر ثابت کرنے میں لگ گئے اور مذکورہ بالا چیزوں کے انکار میں شدت اختیار کرکے اپنے مکتوبات میں اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید شروع کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ ان کے مریدین و معتقدین مذکورہ بالا چیزوں سے پرہیز کریں۔ ان چیزوں سے اجتناب کرنے ہی کا نام اتباعِ سنت قرار پایا۔ جو لوگ ان چیزوں سے پرہیز کریں وہ متبعِ سنت ہیں اور جو لوگ ان کے مرتکب ہوں وہ متبعِ سنت نہیں ہیں ---- شیخ سرہندیؒ مسائلِ فقیہ میں مذہبِ حنفی کی پیروی کرتے تھے۔ اس معاملے میں بھی اپنی افتادِ طبع کے مطابق وہ اس کو دوسرے مذاہبِ فقیہ سے برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے اور جب کچھ لوگوں نے احادیث پر عمل کرنے کی بات کی تو وہ اسے برداشت نہیں کرسکے۔ اس طرح ان کے نزدیک تصوف میں سلسلۂ نقشبندیہ کی پیروی اور مسائلِ فقہ میں مذہبِ حنفی کی پیروی کا نام اتباعِ سنت قرار پایا۔ یہی ہے اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید کا وہ مفہوم جو مکتوبات کے مطالعے سے سمجھ میں آتا ہے"۔

عارف دائرہ شریعت سے نکل جاتا ہے

مکتوب ۱۷۲ ص ۱۷۵ ج ۱ میں کہا گیا ہے کہ سالک یا عارف کے لیے ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں پہنچ کر وہ دائرہ شریعت سے خارج ہو جاتا ہے اور احکامِ شریعت کا مکلف نہیں رہتا۔ ایک طویل مکتوب کی درج ذیل سطور (اردو ترجمہ) میں اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے:

"یہ شان دروازہ مقصود اور مقدمہ مطلوب ہے۔ اس جگہ عارف اپنے آپ کو دائرہ شریعت سے باہر پاتا ہے لیکن چونکہ محفوظ ہے اس لیے دقائقِ شریعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ اس دولتِ عظمٰی تک جو جماعت مشرف ہوئی وہ اقل قلیل ہے"۔

شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد اور ان کے محترم چچا کو بھی یہ الہام ہوا تھا کہ ان کو شرعی احکام کی تکلیف سے بری کردیا گیا ہے اور اسی قسم کی روایت دوسرے بہت سے اولیاء اور کاملین سے ہے (امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس، ۶۵) مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے دلائل سے اس کی تردید کی ہے۔

تبصرہ: "یہ حقیر (مولانا عروج قادری مرحوم) صرف اتنا عرض کرے گا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تادمِ مرگ مکلف قرار دے کر بندگیٔ رب کا حکم دیا گیا تھا 'وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ' (الحجر) اور اپنے رب کی بندگی کرتے رہو یہاں تک کہ موت آجائے۔

فلسفیانہ تصوف مراتبِ وجوب میں ممکن الوجود انسان کی سیر بھی تجویز کرتا ہے اور ایک ایسا

مقام بھی، جہاں عارف دائرہ شریعت سے باہر آجاتا ہے اور اللہ کی عبادت یا تبرعاً" کرتا ہے یا اضطراراً"۔ یہ اسلامی تصوف ہرگز نہیں بلکہ غیر اسلامی تصوف کا خیالِ باطل ہے"۔

مولانا کے پیش نظر چونکہ ہرسہ تصانیف پر کوئی تفصیلی تبصرہ نہ تھا اس لیے مکتوبات کے نظریہ قبولیت اور دوسرے تخیلات سے تعرض نہیں کیا گیا۔۔۔۔ اور "آخری بات" بھی: "حضرت شیخ سرہندیؒ رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات میں تصوف کی دوسری کتابوں کی طرح بہت سی باتیں کتاب و سنت کے مطابق اور بڑی موثر بھی ہیں۔ ہم اس کے لیے ان کے شکرگزار ہیں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیراً"۔

شیخ احمد سرہندیؒ اور مولانا مودودیؒ

"مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے "تجدید و احیائے دین" اور اپنی بعض دوسری تحریروں میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو مکتوباتِ امام ربانیؒ کے بالاستیعاب مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ ان کے تصوف کے بارے میں انہوں نے صرف عقیدت مندوں کے بیانات کو سامنے رکھ کر ایک رائے قائم کرلی تھی۔ یہ حقیر شیخ المشائخ حضرت سرہندیؒ کے تصوف کے بارے میں جو کچھ پیش کرچکا ہے وہ اس کا ثبوت ہے"۔

مولانا مودودیؒ نے فلسفہ وحدت الوجود کی تردید کے سلسلے میں شیخ سرہندیؒ کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا تھا "شیخ سرہندیؒ (ابن تیمیہؒ کے برخلاف) اس کوچے ہی کے آدمی تھے اور معمولی آدمی نہیں بلکہ شہسوار تھے۔ انہوں نے خود تصوف کے ہتھیاروں سے اس عقیدے کی خبر لی اور ایسی خبر لی کہ تسمہ تک لگا نہ چھوڑا"۔

مولانا عروج قادری مرحوم: مولانا مودودیؒ کا یہ لکھنا کہ "شیخ سرہندیؒ نے اس عقیدے کی خبر لی اور ایسی خبر لی کہ تسمہ تک لگا نہ چھوڑا" صحیح نہیں ہے اور حقیقتِ واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مولانا نے وضاحت کی کہ اس مسئلے میں خود شیخ سرہندیؒ کے کلام میں تضاد ہے۔ وحدۃ الوجود کو شیخ سرہندیؒ بھی تصوف کا ایک اونچا مقام تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کی تردید کا فائدہ کیا ہے، بلکہ اس غلط نظریہ کو اس سے سند مل جاتی ہے"۔

تجدید و احیائے دین میں مولانا مودودیؒ نے شیخ احمد سرہندیؒ کے عنوان سے جو کچھ لکھا تھا اس کے بارے میں مولانا عروج قادری مرحوم نے تحریر کیا کہ اس کا تحقیق سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا مودودیؒ نے تحریر کیا تھا:

"ایک یہ کہ تصوف کے چشمہ صافی کو ان آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے

اس میں سرایت کر گئی تھیں، پاک کر کے (شیخ سرہندیؒ نے) اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا"۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے لکھا "یہ عبارت پڑھ کر یہ باور کرنا مشکل ہے کہ انہوں نے کبھی خود مکتوباتِ امام ربانی کا مطالعہ کیا تھا یا نہیں؟ جن مکتوبات کا بہت بڑا حصہ فلسفیانہ تصوف ہی کے لیے وقف ہو اس کے بارے میں یہ لکھنا کہ شیخ سرہندیؒ نے تصوف کو فلسفیانہ آلائشوں سے پاک کیا، حیرت انگیز ہے۔ بات یہی ہے کہ انہوں نے غالی عقیدت مندوں کے بیانات پر اعتماد کرلیا تھا"۔

مذکورہ بالا صفحات میں جو کچھ قلمبند ہوا اس سے اس مقصد کی قرار واقعی تکمیل ہوئی جو "تصوف کی تین اہم کتابیں" کی تالیف سے مصنف کے پیشِ نظر تھا یعنی تصوف کی کتابوں میں جو باتیں کتاب و سنت یا عقل و نقل کے مطابق ہوں وہ بھی نمایاں کی جائیں اور جو باتیں عقل و نقل کے خلاف ہوں وہ بھی واضح کی جائیں۔ تصوف کی تین اہم کتابوں سے متعلق ایجاز و اختصار کے ساتھ مولانا عروج قادری مرحوم نے یہ کام انجام دیدیا ہے۔ یہ کام نفسیاتی طور پر کسی ایسے شخص کے لیے جو خود خانوادۂ رشد و طریقت سے تعلق رکھتا ہو، مشکل تھا۔ یہ کام کتاب و سنت پر وسیع و عمیق نگاہ، قابلِ اعتماد اور لائق استناد، علمی بلندیٔ قامت کا متقاضی تھا اور سب سے زیادہ ایمانی صلابت اور اشخاص و افراد کے منصب و مقام اور غوغائے عام سے بے پروا، حق گوئی کی جسارت کا بھی ---- کیونکہ اقبال سے لے کر (جو بزرگانِ دین سے عقیدت میں نیاز مندانِ حجرہ و خانقاہ سے پیچھے نہ تھے) مولانا مودودیؒ (جو تصوف کے بارے میں بہرحال ایک متوازن نقطۂ نظر رکھتے تھے) تک جس نے اس خطرناک وادی میں قدم رکھا، اہلِ تصوف کی جانب سے نشانہ ملامت بننے سے نہ بچ سکا۔ اس کتاب کی قدر و قیمت یہ ہے کہ انہی خطوط پر ان کتابوں کا اور دوسری کتبِ تصوف کا تفصیلی جائزہ لیا جاسکتا ہے تاکہ اہلِ تصوف کے مثبت کارناموں اور تاریخ کے مختلف ادوار میں غیر اسلامی تصورات کے نفوذ کے سبب منفی عناصر کی شمولیت کا متوازن شعور پیدا ہوسکے۔ اس طرح بزرگانِ دین اور اہلِ تصوف سے صحت مند عقیدت کی راہ ہموار ہوگی۔

میں نے مولانا عروج قادری مرحوم کے کردار کے دو امتیازی پہلوؤں انکسار اور فروتنی اور بے لاگ حق گوئی کے سلسلے میں اپنے تاثرات کے اظہار کے لیے اوّل الذکر سے متعلق ذاتی تجربات کا حوالہ دیا تھا۔ آخر الذکر سے متعلق تحریری شہادت کے طور پر ان کی ایک معرکہ آرا مختصر تصنیف سے تعرض کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے تبصرے ان کی افتادِ طبع اور امتیازی کردار کی قرار واقعی شہادت فراہم کرتے ہیں۔

مولانا مرحوم اپنے قلم اور اپنے عمل سے اپنے حصے کی خدمت حسبِ توفیقِ الٰہی انجام دے

بقیہ بر صفحہ ۲۷

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

محتسب کی صفات و آداب

افادات امام ابو حامد محمد الغزالیؒ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ صحیح طور پر انجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ محتسب چند صفات و آداب کا حامل ہو۔ یہ صفات و آداب تفصیل کے ساتھ اپنے اپنے مقام پر بھی بیان کیے جاسکتے ہیں' تاہم ان سب کی روح اور منشا کو تین بنیادی صفات کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے'

ایک' علم

دوسرے' ورع

تیسرے' حسنِ خلق

علم

علم اس لیے ضروری ہے کہ محتسب کو یہ اچھی طرح جاننا چاہیے کہ کن مقامات پر اسے احتساب کرنا چاہیے' اور یہ احتساب کن حدود میں کیا جانا چاہیے۔ یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ کن حالات میں اور کن مواقع پر اسے احتساب سے رک جانا چاہیے۔ محتسب کو یہ علم حاصل ہوگا' جب ہی یہ ممکن ہوگا کہ وہ احتساب کرتے ہوئے شریعت کی حدود کے اندر رہے۔

ورع

ورع اس لیے ضروری ہے کہ محتسب کا عمل اس کے علم کے خلاف نہ ہو۔ عموماً ہر علم رکھنے والا اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محتسب' یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ حدودِ شریعت سے تجاوز کر رہا ہے' اپنی کسی غرض کے لیے احتساب کرتا ہے۔ اس میں ورع کی صفت ہوگی' تو علم اور عمل کا یہ تضاد پیدا نہیں ہوگا' اگر محتسب علم اور عمل میں تضاد

کے باوجود احتساب کرے گا' تو لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے اور گستاخی کے مرتکب ہوں گے' جب کہ محتسب کا مقام یہ ہونا چاہیے کہ اس کی گفتگو اور نصیحت کو قبولیت حاصل ہو۔

حسنِ خلق

حسنِ خلق اس لیے ضروری ہے کہ محتسب کے اندر نرمی اور ملائمت پیدا ہو۔ یہ صفت صحیح احتساب کے لیے اصل بنیادی صفت ہے۔ اس صفت کے بغیر' علم اور ورع احتساب کے عمل کو صحیح رکھنے کے لیے کافی نہیں۔ کیوں کہ جب غصہ آتا ہے تو صرف علم اور ورع اس پر قابو پانے کے لیے کافی نہیں ہوتے جب تک کہ طبیعت میں حسنِ خلق کی صفت نہ ہو۔ ورع بھی اسی وقت کامل ہوتا ہے جب اس کے ساتھ حسنِ خلق ہو اور اپنی خواہشات اور غصے پر قابو ہو۔ ایسے ضبطِ نفس ہی سے محتسب دین کی پابندی کرنے والا اور دین کا حمایتی بن سکتا ہے۔ محتسب حسنِ خلق سے عاری ہوگا' تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جب کوئی اسے گالی دے گا' یا مارے گا' یا کوئی آفت اس کی عزت یا جان و مال پر پڑے گی' تو وہ محاسبہ کا عمل چھوڑ کر' نیز دین کے احکام سے غافل ہوکر' اپنی فکر میں مشغول ہوجائے گا۔ بعض اوقات محتسب' احتساب اسی لیے کرتا ہے کہ اس کا نام ہو اور اسے عزت حاصل ہو۔

ان تین صفات ہی کی بنیاد پر محتسب احتساب کا عمل صحیح طریقے سے انجام دے سکے گا' جس پر اسے ثواب حاصل ہوگا۔ ان تین صفات ہی سے منکر دور بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ تین صفات نہ ہوں تو منکر بھی دور نہ ہوگا' اور تعجب کی بات نہ ہوگی کہ احتساب شریعت کی حدود سے باہر نکل جائے اور خود ہی ایک منکر بن جائے۔

ان بنیادی صفات و آداب پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی شخص کرے جو امر کرتے ہوئے بھی نرمی برتے' اور نہی کرتے ہوئے بھی نرمی اختیار کرے۔ اسے بردبار ہونا چاہیے' امر کرنے میں بھی بردبار ہو اور نہی کرنے میں بھی بردبار ہو۔ نیز منع کرنے میں صحیح فہم اور سمجھ رکھتا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلق فہیم ہونا شرط نہیں ہے' بلکہ امر و نہی کی حدود و آداب کا صحیح فہم حاصل ہونا شرط ہے۔ یہی معاملہ بردباری کا ہے۔ حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ اگر تم امر بالمعروف کرو تو سب سے بڑھ کر خود معروف اختیار کرو' ورنہ تم ہلاک ہوجاؤ گے۔

اس سے یہ مراد نہیں کہ فسق کے صادر ہوجانے سے امر بالمعروف کا فریضہ ساقط ہوجاتا

ہے۔ البتہ یہ جاننا ضروری ہے کہ فاسق کا فسق ظاہر ہوجانے کے بعد اس کے کہنے کا اثر لوگوں کے دلوں پر نہیں ہوتا۔ امر بالمعروف کا فریضہ انجام دینے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ محتسب پہلے خود سب گناہوں سے اجتناب کرے پھر امر بالمعروف کرے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا جب تک ہم سب باتوں پر خود عمل نہ کرلیں، امر بالمعروف کا کام نہ کریں؟ اور کیا جب تک ساری بری باتوں سے خود اجتناب نہ کرلیں، دوسروں کو بری بات سے منع نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا، نہیں ---- امر بالمعروف کرو، اگرچہ سب معروف پر خود عمل نہ کرتے ہو، اور منکر سے روکو، اگرچہ سب منکرات سے خود اجتناب نہ کرتے ہو۔

صبر

ہمارے اسلاف میں یہ روایت بھی رہی ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے کہ جب تم امر بالمعروف کرنے کا ارادہ کرو تو اپنے دل میں یہ طے کرلو کہ تم صبر کرو گے، اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ثواب عطا کرے گا۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملنے کا یقین ہو، اسے ایذا کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ احتساب کے آداب میں صبر کرنا بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف کے ساتھ ہی صبر کا ذکر فرمایا، قرآن مجید میں حضرت لقمان کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ (سورۃ لقمان ۳۱:۱۷)

بیٹا نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی سے منع کر، اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔

دنیا سے تعلق

احتساب کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ محتسب دنیا کے ساتھ اپنا تعلق کم کردے، تاکہ احتساب کرتے ہوئے اسے کسی نقصان کا خوف نہ ہو۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ خلقِ خدا سے کوئی لالچ بھی نہ رکھے تاکہ مداہنت نہ پیدا ہو۔

ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک بلی تھی، جس کے لیے وہ ہمسائے قصائی سے چھیچھڑے لایا کرتے تھے۔ ایک روز انہوں نے اس قصائی کو کسی منکر میں مبتلا دیکھا۔ وہ گھر گئے اور بلی کو گھر سے باہر نکالا۔ پھر قصائی کو اس برائی سے منع کیا۔ اس نے کہا کہ آئندہ بلی

کے لیے کچھ نہ دوں گا۔ انہوں نے فرمایا' میں نے احتساب اسی وقت کیا ہے جب بلی کو باہر نکال چکا ہوں اور تجھ سے لالچ کو ختم کرچکا ہوں۔

ان کی یہ بات کھری حقیقت پر مبنی ہے' کیونکہ جو شخص خلق سے لالچ ختم نہیں کرے گا وہ احتساب کا حق ادا نہیں کرسکے گا۔ جس کو یہ لالچ ہو کہ لوگوں کے دل ہمیشہ اس کی طرف سے اچھے رہیں اور سب اس کی تعریف کریں' تو اس سے احتساب کیسے ہوسکے گا۔ کعب احبارؒ نے ابو مسلم خولانیؒ سے پوچھا کہ تمھارا مقام تمھاری قوم کی نگاہوں میں کیسا ہے۔ انہوں نے کہا' اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا تورات میں تو لکھا ہے کہ جب آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے تو اس کا مقام اس کی قوم کی نگاہوں میں گر جاتا ہے۔ ابو مسلمؒ نے جواب دیا کہ تورات سچ کہتی ہے۔

نرمی

خلیفہ مامون کو ایک واعظ نے نصیحت کی' اور درشت بات کہی۔ مامون نے کہا' نرمی سے بات کرو۔ دیکھو' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو' جو تم سے بہتر تھے' فرعون کے پاس بھیجا' جو مجھ سے بدتر تھا' مگر ان کو نرمی سے بات کرنے کی ہدایت کی۔ فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى ○ (طٰہٰ ۲۰ : ۴۴)

اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا' شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا وہ ڈر جائے۔

محتسب کو نرمی کے معاملے میں انبیاء علیہم السلام کی پیروی کرنا چاہیے۔ حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک جوان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے نبیؐ' آپ مجھ کو زنا کی اجازت دے دیجیے۔ لوگوں نے اس کو برا بھلا کہا۔ آپؐ نے فرمایا' ٹھہر جاؤ' پھر اس سے فرمایا' قریب آؤ۔ وہ قریب آکر حضور اکرمؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا' کیا تم اپنی ماں کے لیے زنا کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا نہیں' اللہ تعالیٰ مجھے آپؐ پر قربان کرے۔ آپؐ نے فرمایا' مردوں کا یہی کام ہے کہ وہ اپنی ماں کے لیے زنا پسند نہیں کرتے۔ پھر آپؐ نے فرمایا' بھلا تم اپنی بیٹی کے لیے زنا کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا نہیں' اللہ تعالیٰ مجھے آپؐ پر فدا کرے۔ آپؐ نے فرمایا' مرد ایسے ہی ہوتے ہیں کہ زنا کو اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر فرمایا' کیا تم اپنی بہن کے لیے زنا کو پسند کرو گے؟ ابن عوفؓ نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ آپؐ نے اسی طرح پھوپھی اور خالہ کا ذکر فرمایا' اور وہ ہر ایک کے جواب میں وہی بات کہتا تھا جو اوپر گزری ہے۔ آپؐ ہر بار فرماتے تھے' مرد ایسے ہی ہوتے ہیں کہ زنا کو پسند نہیں کرتے۔

ابن عوفؒ اور ابوامامہؓ دونوں بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس جوان کے سینے پر رکھا اور فرمایا' اے اللہ تو اس کا دل پاک کر اور اس کا گناہ معاف کر' اور اس کی شرم گاہ کو محفوظ رکھ۔ راوی کہتا ہے کہ پھر کوئی چیز اس شخص کے نزدیک زنا سے بری نہ تھی۔

فضیل بن عیاضؒ سے سفیان بن عینیہؒ کے بارہ میں پوچھا گیا کہ وہ بادشاہوں سے انعامات قبول فرماتے ہیں۔ آپ نے معترضین سے تو فرمایا کہ وہ اس سے تو کم ہی لیتے ہیں جو ان کا حق بنتا ہے۔ پھر آپ نے سفیان بن عینیہؒ کو الگ لے جاکر زجرو توبیخ کی۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے یوں کہا کہ اے گروہ علماء ! تم شہروں میں چراغ تھے جن سے لوگ روشنی حاصل کرتے تھے' اب تم تاریکی اور ظلمت بن گئے ہو۔ تم ستارے تھے جن سے لوگ راہ پاتے تھے' اب تم باعث حیرت ہوگئے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ ان امراء کا مال لیتے ہو' حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ یہ مال ان کے پاس کہاں سے آتا ہے' پھر اپنی کمر تکیے سے لگا کر اللہ کے رسولؐ کے ارشادات روایت کرتے ہو۔ سفیانؒ نے سر اٹھا کر کہا' آہ' آہ۔ پھر انہوں نے کہا' خدا کی قسم' اے ابوعلی' اگر ہم خود نیک نہیں ہیں تو نیکوں سے محبت ضرور کرتے ہیں۔

حماد بن سلمہؒ کہتے ہیں کہ صلتہ ابن اشیمؒ کے پاس ایک شخص آیا' جس کا پاجامہ نیچے لٹکا ہوا تھا۔ ان کے مریدوں نے چاہا کہ اس کے ساتھ سختی سے پیش آئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا معاملہ میرے سپرد کردو' میں تم کو اس تردد سے بچا دوں گا۔ آپ اس کے قریب گئے اور فرمایا' میرے بھتیجے' مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ اس نے کہا چچا جان' وہ کیا ہے ؟ فرمایا' میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا پاجامہ خود اونچا کرلو۔ اس نے کہا بہت بہتر' اور اس نے اپنا پاجامہ فوراً اونچا کرلیا۔ پھر آپ نے مریدوں سے کہا کہ اگر تم اس کے ساتھ سخت گیری کرتے تو یہ انکار کردیتا اور تم کو برا بھلا کہتا۔

محمد بن زکریا غلابیؒ کہتے ہیں کہ ایک رات وہ عبداللہ بن محمد بن عائشہؒ کے پاس گئے۔ وہ مغرب پڑھ کر اپنے مکان کی طرف آرہے تھے۔ دیکھا تو راستے میں قریش کا ایک خوبصورت و توانا جوان شراب پیے ہوئے کھڑا تھا' اور ایک عورت کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا۔ اس عورت نے فریاد کی اور مدد چاہی۔ لوگوں نے جمع ہو کر اس جوان کو مارنا شروع کیا۔ ابن عائشہؒ نے اس جوان کو پہچان لیا' اور لوگوں سے کہا' میرے بھتیجے کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ پھر انہوں نے اس کو اپنے پاس بلایا' وہ شرماتا ہوا پاس آیا۔ آپ نے اس کو سینے سے لگایا' اور کہا' میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ آپ اسے اپنے گھر لے آئے' اور اپنے خادم سے کہا' اسے اپنے پاس سلاؤ' جب اس کا نشہ اترے تو جو

بقیہ بر صفحہ ۱۸

دینِ یسر

سیّد قطب شہیدؒ

ایک خوش خبری:

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى "ہم تمہیں آسان دین (اسلام) کے لیے سہولت بخشیں گے!"

یہ خوش خبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے لیے بھی ہے' اور آپؐ کے واسطے سے آپؐ کی امت کے لیے بھی۔ اس خوش خبری سے اس دین کی فطرت اور اس کا مزاج' اسلامی دعوت کی حقیقت' انسانی زندگی میں اس کا رول اور کائنات کے نظام میں اس کا مقام' یہ سب امور واضح ہوتے ہیں۔ یہ دو الفاظ **وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى** "ہم آسان و ہموار راہ کی تمہیں سہولت بخشیں گے!"[۱] اسلامی عقیدے اور کائنات' دونوں کی ایک عظیم ترین حقیقت پر مشتمل ہیں' جو رسول کی فطرت' عقیدے کی فطرت اور کائنات کی فطرت کو ایک دوسرے سے مربوط کر دیتی ہے۔ کائنات دستِ قدرت سے سہولت کے ساتھ پیدا ہوئی ہے' اپنے راستہ پر آسانی کے ساتھ رواں دواں ہے' اپنی آخری منزل کی طرف آسانی کے ساتھ رخ کیے ہوئے ہے۔ یہ نور سے نکلتی ہے' اور حقیقت کے ایسے آفاق کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کی حدونہایت نہیں ہے۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس آسان و ہموار راہ پر چلنے کی سہولت بخشتا ہے' وہ اللہ کی طرف رخ کرتے ہوئے' کائنات کو جس کی ترکیب اور حرکت سفر کے رخ میں توازن و ہم آہنگی ہے' اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اس کا تصادم صرف ان لوگوں سے ہوتا ہے جو اس عظیم کائنات کی راہ اور اس کی لائن سے ہٹ کر چل رہے ہوتے ہیں--- اور اس عظیم کائنات کے مقابلہ میں

[۱] "یسریٰ کے معنی آسانی کے بھی ہیں اور ہموار کے بھی! یعنی آسانی اور ہموار راستہ۔اسی طرح نیسر کے معنی "آسان بنا دیں گے!" کے بھی ہے اور "ہموار بنا دیں گے!" کے بھی --- یسریٰ سے مراد اللہ کا دین اور اس کا بتایا ہوا راستہ اور طریقہ جو دوسرے ادیان' قوانین اور طریقوں کے مقابلہ میں آسان بھی ہے اور ہموار بھی!

ان کا کوئی وزن اور کوئی شمار نہیں ــــ وہ پوری کائنات ' واقعات 'اشیاء اور اشخاص کے ساتھ آسان ' ہموار ' خوش گوار ' نرم اور لطیف حرکت و عمل اختیار کرتے ہوئے چلتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں سہولت ہوتی ہے۔ اس کے چلنے میں سہولت ہوتی ہے۔ اس کے عمل میں سہولت ہوتی ہے۔ اس کے تصورات و افکار میں نرمی و سہولت ہوتی ہے۔ وہ اپنے نفس کے ساتھ بھی نرمی برتتا ہے ' اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ' تمام امور و معاملات میں یہی حال تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ' جب آپؐ کو دو کاموں میں سے کسی ایک کام کو کرنے کا اختیار دیا جاتا تو آپؐ اس میں سے آسان تر کو اختیار فرماتے (بخاری ' مسلم) ان کا یہ بیان بھی ہے کہ ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تنہائی میں اپنے گھر کے لوگوں کے پاس ہوتے تو آپؐ کا رویہ سب انسانوں سے زیادہ نرم ہوتا۔ آپؐ مستقلاً" مسکراتے اور ہنستے رہتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ "کوئی لونڈی رسول اللہؐ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جہاں چاہتی لے جاتی"۔

لباس ' طعام اور بستر وغیرہ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش اور آپؐ کے اسوے کو ہم ان الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں کہ آپؐ آسان معاملہ کو اختیار فرماتے اور تکلفات سے بچتے۔

امام شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن قیمؒ جوزیہ اپنی مشہور کتاب ' زادالمعاد ' میں لباس کے سلسلے میں آپؐ کے اسوے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں :

> آپؐ کے پاس ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب (بادل) تھا۔ یہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو دے دیا تھا۔ آپؐ عموماً" عمامہ کو اس طرح استعمال فرماتے کہ اس کے نیچے ٹوپی ہوتی۔ کبھی آپؐ ٹوپی عمامہ کے بغیر پہنتے ' اور کبھی ٹوپی کے بغیر عمامہ۔ عمامہ استعمال کرتے تو اس کے شملے کو دونوں کندھوں کے بیچ میں لٹکا دیتے ' جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں عمرؓ بن حریث سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا ' آپؐ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا جس کے شملے کو آپؐ نے دونوں کندھوں کے بیچ میں چھوڑ رکھا تھا۔ صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ لیکن اس روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ شملہ دونوں کندھوں کے بیچ لٹکا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ آپؐ شملہ کو ہمیشہ دونوں کندھوں کے

بیچ میں نہیں لٹکاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب آپؐ مکہ میں داخل ہوئے تو جنگی لباس پہنے ہوئے تھے اور سر پر خود تھا۔ گویا آپؐ ہر موقع پر وہ لباس پہنتے جو مناسبِ حال ہوتا!

امام ابن قیمؒ کتاب کے ایک اور باب میں فرماتے ہیں:

صحیح بات یہ ہے کہ افضل ترین طریقہ وہ ہے جس پر آپؐ چلے' جس کا آپؐ نے حکم دیا اور ترغیب دی' اور جس پر آپؐ نے مداومت کی۔ لباس کے سلسلے میں آپؐ کا اسوہ یہ ہے کہ جو لباس میسر آتا اسے زیبِ تن فرماتے۔ کبھی اون کا' کبھی روئی کا' کبھی کتان کا۔ آپؐ نے یمنی چادریں اور سبز چادریں بھی استعمال کیں۔ جبہ' قبا' قمیص' پاجامہ' ازار' چادر' چمڑے کے موزے اور جوتے' یہ سب چیزیں آپؐ کے استعمال میں آئیں۔ عمامہ کا شملہ کبھی آپؐ نے پیچھے لٹکایا اور کبھی نہیں لٹکایا۔

کھانے کے سلسلے میں آپؐ کے اسوہ کو امام ابن قیمؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

اسی طرح کھانے کے سلسلے میں آپؐ کی روش اور آپؐ کی سیرت تھی۔ جو موجود ہوتا' اسے رد نہ فرماتے' جو موجود نہ ہوتا اس کے لیے تکلف نہ کرتے۔ پاکیزہ چیزوں میں سے جو چیز بھی آپؐ کے سامنے آتی اسے نوش فرما لیتے۔ کوئی چیز پسند نہ آتی تو اسے نہ کھاتے' مگر حرام قرار نہ دیتے۔ آپؐ نے کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا۔ جی چاہا تو کھا لیا' جی نہ چاہا تو چھوڑ دیا۔ جس طرح کہ گوہ کو' جسے آپؐ کھاتے نہ تھے' آپؐ نے نوش نہیں فرمایا' مگر اسے امت کے لیے حرام نہیں ٹھہرایا۔ لوگوں نے آپؐ کے دستر خوان پر اسے کھایا اور آپؐ دیکھتے رہے۔ آپؐ نے حلوہ اور شہد کھایا ہے اور انہیں پسند فرماتے تھے۔ آپؐ نے تر و تازہ اور خشک دونوں طرح کی کھجوریں کھائی ہیں۔ آپؐ نے خالص دودھ بھی پیا ہے' اور غیر خالص بھی۔ ستو اور شہد کو پانی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ کھجور کا آب زلال پیا ہے۔ خزیرہ کو جو ایک طرح کی پتلی کھیر ہے جو دودھ اور آٹے سے بنتی ہے' نوش فرمایا ہے۔ تر و تازہ کھجوروں کے ساتھ ککڑی کھائی ہے' پنیر کھایا ہے۔ روٹی کھجور کے ساتھ کھائی ہے' روٹی سرکے کے ساتھ کھائی ہے۔ خشک گوشت کھایا ہے۔ پکایا ہوا کدو کھایا ہے۔ کدو کو آپؐ پسند فرماتے! ابلا ہوا کدو کھایا ہے۔ ثرید کو گھی کے ساتھ کھایا ہے۔ پنیر کھایا ہے۔ زیتون کے روغن سے روٹی کھائی ہے۔ خربوزہ کو تر و تازہ کھجوروں کے ساتھ کھایا ہے۔ کھجوروں کو مکھن کے ساتھ کھایا

ہے۔ اور یہ آپؐ کی پسندیدہ غذا تھی۔ کسی پاکیزہ چیز کو آپؐ رد نہ فرماتے' نہ کسی چیز کا تکلف کرتے۔ آپؐ کی روش یہ تھی کہ جو مل جاتا نوش فرما لیتے اور کوئی چیز نہ ملتی تو صبر کرتے!

سونے اور بیدار ہونے کے سلسلے میں آپؐ کے اسوہ کی اس طرح وضاحت کی ہے:

آپؐ کبھی اپنے بچھونے پر سوتے' کبھی کھال پر' کبھی چٹائی پر' کبھی زمین پر' کبھی تخت پر' کبھی سیاہ کمبل پر۔

امورو معاملات میں اور ان میں سب سے پہلے عقیدہ اور اس کی ذمہ داریاں آتی ہیں—— آسانی' فراخ دلی اور نرمی کی روش اختیار کی جائے' اس پر ابھارنے والی احادیث بہت زیادہ ہیں اور ان کا استقصا مشکل ہے۔ چند احادیث یہ ہیں:

ان هذا الدين يسر ولن يشاد الدين احد الا غلبه (بخاری)

یہ دین آسان ہے! جو شخص (آسانی کو چھوڑ کر) دین سے دھینگا مشتی کرے گا وہ دین سے شکست کھا جائے گا (اور زچ ہو جائے گا)

ایک اور حدیث میں ہے:

لا تشددوا على انفسكم فيشدد عليكم فان قوما شددوا على انفسهم فشدد عليهم (ابوداؤد)

اپنے آپ کو سختیوں میں نہ ڈالو' نہیں تو تم پر سختی کی جائے گی۔ ایک گروہ نے خود کو سختیوں میں ڈالا' وہ سختیوں کے حوالے کر دیے گئے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

ان المنبت لا ارضا قطع ولا ظهرا ابقى (بخاری)

سختی سے سواری کرنے والا نہ سفر طے کر پاتا ہے اور نہ اپنی سواری ہی کو زندہ رہنے دیتا ہے!

ایک اور حدیث میں ہے:

يسروا ولا تعسروا (بخاری، مسلم)

لوگوں کے لیے آسانیاں فراہم کرو' دشواریاں پیدا نہ کرو!

معاملات کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رحم الله رجلا سمحا اذا باع واذا اشترى واذا اقتضى (بخاری)

اللہ اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو بیچے تو نرمی و فراخ دلی سے! خریدے تو نرمی و فراخ دلی سے! تقاضا کرے تو نرمی و فراخ دلی سے!

ایک اور حدیث میں ہے:

المومن هين لين (بیہقی)

مومن بردبار اور نرم خو ہوتا ہے!

ایک اور روایت میں ہے:

المومن يالف ويولف (دار قطنی)

مومن لوگوں سے مانوس ہوتا ہے اور لوگ اس سے مانوس ہوتے ہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے:

ان ابغض الرجال الى الله الالد الخصم (بخاری، مسلم)

اللہ کو وہ شخص سب سے زیادہ مبغوض ہے جو جھگڑالو اور لڑنے والا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کیا تھی، اور اللہ تعالٰی نے کس طرح اس میں طبعی اور فطری طور پر سہولت و نرمی ودیعت کر دی تھی، اس کا گہرا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ آپؐ کو ناموں اور چہروں کی کیفیات تک میں دشواری اور درشتی پسند نہ تھی۔ صحیح بخاری میں ہے:

عن سعيد بن المسيب عن ابيه رضى الله عنه انه جاء النبى صلى الله عليه وسلم فقال ما اسمك قال حزن (اى صعب وخش) قال بل انت سهل قال لا اغير اسما سمانيه ابى قال ابن المسيب رحمه الله فما زالت فينا حزونته بعد (بخاری)

سعید بن مسیبؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ نے ان سے پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا حزن (یعنی سخت اور دشوار) آپؐ نے فرمایا، نہیں تمہارا نام سہل (آسان) ہے انہوں نے کہا، میں اپنے باپ کا رکھا ہوا نام نہیں بدلوں گا! سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں برابر سختی و درشتی رہی!

ایک اور روایت ہے:

عن ابن عمر رضى الله عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وسلم غير اسم عاصية وسماها جميلة (مسلم)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصیہ (نافرمان) کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا!

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان من المعروف ان تلقی اخاک بوجہ طلق (ترمذی)

یہ نیکی کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ ملو!

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیز حس۔ یہ حس ناموں اور چہروں کے اتار چڑھاؤ میں بھی سختی و درشتی کو پا لیتی' اسے ناپسند کرتی اور اسے نرمی و آسانی سے بدل دیتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے صفحات فراخ دلی' آسانی' نرمی اور تمام امور و معاملات میں سہولت و نرمی کی توفیق پانے سے بھرے ہوئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ آپؐ کس طرح معاملہ کرتے تھے اور اس سلسلہ میں آپؐ کا طریقہ اور آپؐ کی طبیعت کیا تھی؟ اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے جو ہم مثال کے طور پر درج کر رہے ہیں:

ایک بدّو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپؐ سے کچھ طلب کیا۔ آپؐ نے اس کی مطلوبہ شے اسے دے دی' اس سے پوچھا' کیا میں نے تم سے اچھا سلوک کیا؟ بدو نے کہا' نہیں' آپؐ نے مجھ سے اچھا سلوک نہیں کیا۔ مسلمانوں کو اس پر غصہ آگیا' اور وہ (اسے مارنے کے لیے) اس کی طرف بڑھے۔ آپؐ نے انہیں اشارے سے روک دیا۔ پھر آپؐ اپنے گھر تشریف لے گئے' بدّو کو بلا بھیجا' اور آپؐ نے اسے کچھ اور دیا۔ پھر اس سے پوچھا' کہو کیا میں نے تم سے اچھا سلوک کیا؟ اس نے کہا' ہاں' اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس کی بہترین جزا دے' آپؐ بہت اچھے گھر اور خاندان کے ہیں۔ آپؐ نے بدّو سے کہا' تم نے اس سے قبل جو کچھ کہا' اس سے میرے ساتھیوں کے دل پر کچھ اثر ہے۔ اگر تم پسند کرو تو یہ بات جو تم نے میرے سامنے کہی ہے ان کے سامنے بھی کہہ دو' تاکہ ان کے دلوں میں تمہاری طرف سے جو رنجش ہے وہ نکل جائے۔ اس نے کہا' بہت اچھا۔ جب اگلے دن صبح ہوئی تو وہ بدّو آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے کہا' اس بدّو نے کل کہا جو کہا' پھر میں نے اس کو اور دیا' اب اس کا کہنا یہ ہے کہ وہ راضی و خوش ہے۔ کیوں بھائی' کیا یہ صحیح ہے؟ بدّو نے کہا' ہاں' اللہ آپؐ کو اس کی بہترین جزا دے' آپؐ بہت اچھے گھر اور خاندان کے ہیں۔ تب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میری اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی شخص کی اونٹنی اس کے پاس سے بھاگ کھڑی ہوئی' لوگ اس کے پیچھے دوڑے تو وہ اور دور بھاگ گئی۔ اونٹنی کے مالک نے لوگوں سے کہا' میری اونٹنی کو مجھ پر چھوڑ دو' میں اس پر نرم اور اس کے مزاج سے واقف ہوں۔ پھر مالک زمین کی کچھ گھاس پھونس لے کر اس کی طرف بڑھا' اور آہستہ آہستہ اسے واپس لے آیا۔ وہ اس کے پاس آئی' اور بیٹھ گئی۔ تب اس نے اس پر کجاوہ کسا' اور سوار ہو گیا۔۔۔۔ اگر میں تمھیں چھوڑ دیتا اور تم اسے قتل کر دیتے تو وہ دوزخ میں پہنچ جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوحش و متنفر افراد کو اِس خوش مزاجی' اِس آسان روی' اس نرمی اور اللہ کی اِس توفیق سے قابو میں کر لیتے اور اس کے نمونے آپؐ کی پوری سیرت میں بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ ہے وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى (ہم تمھیں آسان دین (اسلام) پر چلنے کی سہولت دیں گے) کی حقیقت' جس کی بشارت آپؐ کے رب نے آپؐ کو دی' اور جس کی توفیق اللہ نے آپؐ کو پوری زندگی' اسلامی دعوت اور آپؐ کے تمام معاملات میں عطا فرمائی۔

بزرگ' محبوب اور آسان دین کے لیے آسانی کی توفیق پانے والی شخصیت اس طرح کی اس لیے تھی کہ اسلام کی دعوت کو نوعِ انسانی تک بہ حسن و خوبی پہنچا سکے' اور اس کی طبیعت دعوت کی طبیعت سے' اور اس کی حقیقت دعوت کی حقیقت سے' ہم آہنگ ہو جائے' اور جس عظیم امانت کو اللہ کی توفیق و تیسیر کی بنا پر اس کی عظمت کے باوجود آپؐ نے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا ہے' آپؐ اس طرح اس کا حق ادا کر سکیں کہ رسالت کا یہ بارِ گراں اللہ کی اس تیسیر کے نتیجہ میں ایک محبوب عمل' ایک حسین کھیل اور فرحت و انبساط میں تبدیل ہو جائے۔

قرآن مجید میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا' اور جو فریضہ ادا کرنے کے لیے آپؐ تشریف لائے ہیں' اس کا تعارف ان الفاظ میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء ۲۱: ۱۰۷)

اور ہم نے تمھیں نہیں بھیجا مگر اہلِ جہاں کے لیے رحمت بنا کر۔

اور ایک مقام پر ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ

عَلَیْھِمْ (الاعراف ۷: ۱۵۷)

وہ جو اس رسول کی' جو نبی امی ہے' پیروی کرتے ہیں' جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ انہیں وہ معروف کا حکم کرتے' برائی سے روکتے' پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال کرتے' ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے اور ان کے بوجھ اور ان کے طوق' جو ان کے گلے میں پڑے ہیں' ان سے اتارتے ہیں۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانیت کے لیے رحمت بن کر آئے ہیں۔ آپؐ اس لیے تشریف لائے ہیں کہ انسانوں کے لیے آسانیاں فراہم کریں' اور لوگوں کے کندھوں اور جسموں پر سے ان بوجھوں اور ان طوقوں کو اتار دیں جو ان پر لاد دیے گئے تھے۔ انہوں نے دین کے معاملہ میں سختی برتی تو ان کو سختیوں میں ڈال دیا گیا۔

جو پیغام اور جو دین آپؐ لائے' اس کے سلسلے میں قرآن میں ہے:

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ (القمر ۵۴: ۱۷'۲۲'۳۲'۴۰)

ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنایا ہے' تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا!

ایک اور مقام پر ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج ۲۲: ۷۸)

اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

اور ایک اور مقام پر ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ ۲: ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی شخص پر ذمہ داری نہیں ڈالتا مگر اس کی وسعت بھر!

ایک اور مقام پر ہے:

مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ (المائدہ ۵:۶)

اللہ تعالیٰ تم پر دین کے سلسلے میں کوئی تنگی (سختی) نہیں کرنا چاہتا! وہ تو تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے!

یہ دین انسانی طاقت کی حدود کے اندر اور آسان ہے۔ یہ لوگوں کو تنگی میں نہیں ڈالتا' نہ انہیں کسی مشقت میں مبتلا کرتا ہے۔ آسانی اس کی روح میں اسی طرح سرایت کیے ہوئے ہے جیسے کہ وہ اس کی عائد کردہ ذمہ داریوں میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا (الروم ۳۰ : ۳۰)

یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

انسان جب اس عقیدہ کے ساتھ زندگی کا سفر کرتا ہے تو وہ اس میں آسانی' انسانی طاقت کا پاس و لحاظ اور انسان کے مختلف حالات اور ہر طرح کے معاشرہ اور حالات میں جن ظروف سے انسان کو سابقہ پیش آتا ہے' ان سب کی رعایت پاتا ہے۔ خود عقیدہ انتہائی سادہ اور اس کا سمجھنا بہت آسان ہے۔ خدا ایک ہے' کوئی اس جیسا نہیں۔ اس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے' اس نے اس کے وجود کی غرض و غایت کی طرف اس کی رہنمائی کی ہے' اس نے انسانوں کے پاس رسول بھیجے جو انہیں یاد دلاتے ہیں کہ ان کے وجود کا مقصد کیا ہے' اور جس خدا نے انہیں پیدا کیا ہے اس سے انہیں وابستہ کرتے ہیں۔ تمام ذمہ داریاں' اس کے بعد اس عقیدہ سے کامل توازن و ہم آہنگی سے اس طرح پھوٹتی ہیں کہ ان میں کوئی کجی ہے اور نہ انحراف۔ لوگوں کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو' جس حد تک ان کے بس میں ہو' کسی تنگی و مشقت کے بغیر ادا کرتے رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا امرتکم بامر فاتوا منہ ما استطعتم وما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ (بخاری' مسلم)

جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو تم جتنا کچھ کر سکتے ہو' کرو اور جس کام کو منع کروں اس سے بچو!

جن چیزوں سے دین میں روکا گیا ہے' اگر انسان مضطر ہو تو ان میں بھی حرج نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْہِ (انعام ۶ : ۱۱۹)

جن چیزوں کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے' انہیں اس نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے الایہ کہ تم ان کے لیے مضطر ہو!

اور ان وسیع حدود کے مابین تمام تکالیفِ شرعیہ آجاتی ہیں!

اس طرح رسول کی فطرت پیغام کی فطرت سے' اور داعی کی حقیقت دعوت کی حقیقت سے اس نمایاں بنیادی صفت میں ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ یہی فطرت اس امت کی ہے جو رسول نے تشکیل دی ہے۔ اسے بھی دینِ یسر کا پیغام پہنچانے کی توفیق بخشی گئی ہے۔ وہ امتِ وسط ہے۔ وہ امتِ مرحومہ اور انسانیت کے لیے رحمت کی علم بردار ہے۔ اسے دینِ یسر کی آسانیاں عطا ہوئی

ہیں۔ اس امت کی یہ فطرت کائنات کی فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ کائنات اپنے توافق' توازن اور عمدگی و سرعت کے ساتھ اپنے متحرک ہونے سے اس بات کی تصویر کشی کرتی ہے کہ اللہ کی صفت تخلیق میں آسانی' ہمواری اور خوش اسلوبی ہے۔ کائنات میں کہیں کوئی تصادم ہے اور نہ کشمکش۔ اربوں' کھربوں اجرامِ فلکی اللہ کی پیدا کردہ فضا میں تیرنے اور توازن وہم آہنگی اور جذب و کشش کے ساتھ اپنے اپنے مدار میں اس طرح گردش کرنے میں مصروف ہیں کہ ان میں کوئی ٹکراؤ ہوتا ہے نہ اضطراب' اور نہ وہ اپنی راہ سے ہٹتے ہیں۔ اربوں کھربوں زندہ مخلوقات ہیں جنہیں لے کر زندگی ان کی قریب و بعید منزل کی طرف نظم و استحکام کے ساتھ رواں دواں ہے۔ ہر ایک کے لیے وہ کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ ہر ایک اپنے راستہ پر گامزن ہو کر اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اربوں' کھربوں حرکتیں' واقعات اور احوال مجتمع اور متفرق ہو کر اپنے اپنے راستہ پر اس طرح گامزن ہیں جیسے کہ مختلف آلاتِ موسیقی سے متفرق اور مختلف نغمے نکل کر ایک طویل و عریض نغمہ میں یکجا ہو گئے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی فطرت' پیغام کی فطرت' رسول کی فطرت اور امتِ مسلمہ کی فطرت' ان سب کے مابین کامل توافق و ہم آہنگی ہے۔ یہ خدائے واحد کی صنعت اور خالقِ حکیم کی تخلیق ہے۔

(فی ظلال القرآن' ترجمہ سید حامد علی)

بقیہ: مطبوعات

ذرا سی اونچی اس لیے ہے کہ اس دور میں اس کا رواج تھا۔ مولینا آزاد' مولینا ظفر علی خاں اور محمد علی جوہر جیسے لوگ تحریر و تقریر کے میدانوں میں چھائے ہوئے تھے۔ پھر "الجمعیتہ" علماء کی ایک دینی تنظیم کا اخبار ہے۔ اس کے باوجود حقیقی طور پر مشکل الفاظ ۵۴۰ صفحے کی اس کتاب میں بہت تھوڑے نظر پڑے۔ مثلاً خدائع' حِیَل' احتلال' مداخل اوقات' مدہش' حضیض' ارتجاعیت' وسائس ومکاید' اطماع' تنازع للقوتہ' استنطق' عمائم' منکوب' مستدعیات وغیرہ۔ شاید دو چار اور رہوں۔ اوسطاً ۲۴' ۲۵ صفحوں میں ایک۔

اس کتاب کے اگلے حصے متعلق بہ ۱۹۲۶ء' ۱۹۲۷ء' ۱۹۲۸ء بھی شائع ہو رہے ہیں تاکہ یہ خزانہ ماضی قدر دانوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہو جائے۔ یہ تاریخ کی تاریخ ہے اور ادب کا ادب!

(ن - ص)

رسائل ومسائل

اعتکاف کے مسائل

اعتکاف میں مسجد کے وضو خانہ اور غسل خانہ میں جاکر وضو اور غسل کرنے کے مسئلہ پر عموماً سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ پر درج ذیل تحریر سید احمد عروج قادریؒ کے جوابات سے مرتب کی گئی ہے اور اس مسئلہ کے بارہ میں ان کی رائے سامنے لاتی ہے۔

۱۔ اعتکاف کی کتنی قسمیں ہیں؟

فقہائے احناف نے اعتکاف کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) واجب (۲) سنت موکدہ (۳) نفل

(۱) واجب' وہ اعتکاف ہے جس کی نذر مانی گئی ہو۔ جائز نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ واجب اعتکاف کم سے کم ایک دن کا ہوتا ہے جس میں رات بھی شامل ہوتی ہے۔ اس اعتکاف میں روزہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے تین دن چھوڑ کر سال کے کسی بھی دن' بشمول رمضان' اعتکاف کی نذر مانی جاسکتی ہے۔

(۲) سنت موکدہ اعتکاف' رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک ہمیشہ آخر عشرہ کا اعتکاف کرتے رہے۔

(۳) نفل اعتکاف کے لیے نہ روزہ کی شرط ہے' نہ کسی خاص دن کی' نہ مقررہ وقت کی۔ یہ ایک دن سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے' کم بھی۔ پندرہ منٹ بلکہ اس سے بھی کم وقت کے لیے ہوسکتا ہے۔ یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کی جاسکتی ہے۔ لوگ یہ نیت کرتے بھی ہیں اور نیت کرنے والا جتنی دیر مسجد میں رہے' انشاء اللہ اس کو اعتکاف کا اجر ملے گا۔ رمضان کے مہینہ میں بھی دس دن سے کم کے لیے اعتکاف کیا جاسکتا ہے مگر وہ نفل اعتکاف ہوگا۔

۲ - کیا بلا عذر مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے ؟

جہاں تک فقہ حنفی کا تعلق ہے بلا عذر مسجد سے باہر نکلنے سے جو اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے وہ واجب اعتکاف ہے۔ علامہ ابن نجیم نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے :

فساد کا تصور نہیں ہوتا مگر واجب (اعتکاف) میں۔ (البحر الرائق)

واجب اعتکاف میں بھی پاخانہ، پیشاب اور نماز جمعہ کے لیے نکلنے کی اجازت ہے، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

معتکف اعتکافِ واجب میں اپنے اعتکاف کی جگہ سے نہ رات کو نکلے گا اور نہ دن کو، مگر وہ پاخانہ، پیشاب اور جمعہ ادا کرنے کے لیے نکل سکتا ہے۔ (البدائع والصنائع)

بلا عذر کتنی دیر کے لیے مسجد سے باہر نکلنے سے واجب اعتکاف فاسد ہوتا ہے ؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف فاسد ہوجائے گا خواہ معتکف تھوڑی دیر کے لیے نکلا ہو، مگر امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر معتکف بلا عذر آدھے دن سے زائد مسجد سے باہر رہے گا، تب اس کا واجب اعتکاف فاسد ہوگا، ورنہ نہیں۔ (بدائع)

۳ - کیا وضو اور غسل واجب کے لیے مسجد سے باہر جانے کی اجازت ہے ؟

جس طرح رفعِ حاجت انسان کی ایک ضرورت ہے، اسی طرح طہارت حاصل کرنا بھی اس کی ایک ضرورت ہے، خواہ حدثِ اصغر سے ہو یا حدثِ اکبر سے۔ لہٰذا معتکف کو جس طرح پہلی ضرورت کے لیے مسجد سے باہر جانے کی اجازت ہوگی، اسی طرح دوسری ضرورت یعنی طہارت حاصل کرنے کے لیے بھی اس کو مسجد سے باہر جانے کی اجازت ہوگی۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ :

معتکف، مسجد سے باہر، طہارت سے فراغت کے بعد نہ رکے۔

اس عبارت میں "طہور" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس میں وضو اور غسلِ واجب دونوں شامل ہیں۔ عالمگیری میں بھی گھر میں وضو سے فراغت تک ٹھہرنے کی اجازت ہے۔ وضو کے بعد اگر وہ بلا عذر اپنے گھر ٹھہر جائے، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا اعتکافِ واجب فاسد ہوجائے گا۔

یہ رائے صحیح نہیں ہے کہ معتکف کو مسجد کے اندر بیٹھ کر ہی وضو یا غسلِ واجب کرنا چاہیے۔ مسئلہ صرف اتنا ہے کہ معتکف اگر مسجد کے اندر وضو یا غسل کرسکتا ہو تو خاص طور پر اس کو اجازت ہے (نہ کہ لازم) شرط یہ ہے کہ پانی مسجد میں نہ گرے اور وہ آلودہ نہ ہو۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے :

اگر معتکف کے لیے مسجد میں غسل کرنا ممکن ہو، اس کے بغیر کہ مسجد آلودہ ہو، تو کوئی

حرج نہیں۔ ورنہ وہ مسجد سے نکلے گا' غسل کرے گا' اور پھر مسجد واپس آئے گا۔

فقہ حنفی میں جو تصریحات ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جو جگہ وضو کے لیے بنائی جاتی ہے' اس کا حکم بھی گویا مسجد کے ایک گوشہ کا ہی ہوتا ہے۔ مثلاً اذان گاہ ایسی ہو جس کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تو معتکف اس اذان گاہ پر جاکر اذان دے سکتا ہے۔ علامہ کاسانی نے لکھا ہے کہ اذان گاہ بھی مسجد کے گوشوں میں سے ایک گوشہ ہے کیونکہ وہاں ہر وہ شے ممنوع ہے جو مسجد میں ممنوع ہے' اور اس کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ یہی بات وضو گاہ پر بھی صادق آتی ہے۔

۴۔ کیا رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف مسنون میں معتکف آٹھ دس منٹ کے لیے صفائی بدن یا نشاط طبیعت کے لیے اسی مسجد کے غسل خانہ میں غسل غیرواجب کرنے جا سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں درج ذیل باتوں پر غور کرنا چاہیے۔

۱۔ رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف' اعتکاف واجب نہیں ہے۔

۲۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک آدھے دن سے کم وقت کے لیے بلا عذر مسجد سے باہر نکلنے سے واجب اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوتا۔

۳۔ امام ابوحنیفہؒ نے بھی اعتکافِ واجب کے سلسلہ میں اپنی رائے میں "ساعة" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے مراد یقیناً ۲۴ گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ تو نہیں' لیکن اب گھڑیوں کے منٹوں میں کوئی نہ کوئی مقدار تو متعین کرنی چاہیے۔ اب اگر بالفرض ۱۰ منٹ مقرر کیے جائیں اور کوئی آٹھ منٹ میں غسل غیرواجب کرکے مسجد میں واپس آجائے تو امام صاحبؒ کی رائے کے مطابق بھی اس کا اعتکافِ واجب فاسد نہیں ہوتا۔

فقہی تفصیلات پڑھ کر اس حقیر کی رائے یہ بنی ہے کہ رمضان کے اعتکافِ مسنون میں بھی بہتر یہی ہے کہ معتکف محض صفائی بدن کے غسل کے لیے مسجد سے باہر نہ نکلے۔ لیکن وہ تھوڑی دیر میں غسل کرکے مسجد میں واپس آجائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

۵۔ کیا اعتکاف میں چند منٹ کے لیے اپنی تجارت کا حساب دیکھا جا سکتا ہے؟

جب مسجد میں معتکف کے لیے خرید و فروخت اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ سامانِ تجارت مسجد میں نہ لایا جائے تو اپنی تجارت کا حساب دیکھنا بھی جائز ہوگا۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ اعتکاف دنیوی کاروبار کی مشغولیت سے خالی ہو۔ اس لیے ایسا اس وقت کرنا چاہیے جب حساب دیکھنے والا کوئی معتمد علیہ شخص نہ ہو اور حساب نہ دیکھنے سے آئندہ کسی دشواری یا نقصان کا اندیشہ ہو۔

(مرتبہ: خرم مراد)

بیت المال

ایک دیرینہ رکن جماعت کی حیثیت سے، میرے لیے یہ صورتِ حال سخت تشویش کا باعث ہورہی ہے کہ کچھ عرصہ سے جماعت ہی کے حلقوں میں عام طور پر یہ باتیں کہی اور سنی جا رہی ہیں کہ اب جماعت وہ جماعت نہیں رہی، اور جماعتِ اسلامی میں دیانت و امانت کا وہ معیار جس کے ہمیشہ مخالفین بھی معترف رہے ہیں، اب نہیں رہا۔ بیت المال کے استعمال میں امانت و دیانت نہیں ہو رہی اور جن مدات میں رقوم دی جاتی ہیں، اپنی مرضی سے ان میں تصرف کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر پاسبان اور اس کے فنڈز کی فراہمی کے بارے میں کئی قسم کی باتیں جماعتی حلقوں میں گردش کر رہی ہیں۔ اس سے پہلے کبھی بھی اس قسم کی باتیں سننے میں نہیں آتی تھیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ براہِ کرم اس بارے میں وضاحت فرمائی جائے، تاکہ ہم ذہنی انتشار سے بچ کر یکسوئی سے کام کر سکیں۔

انفرادی لغزشوں اور کوتاہیوں سے خالی ہونے کا دعویٰ تو کوئی جماعت بھی نہیں کر سکتی، لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ جماعتِ اسلامی کے بیت المال میں رقوم کی آمد و صرف کا پورا نظام اور تمام معاملات آج بھی اسی طرح مکمل امانت و دیانت اور قواعد و ضوابط کے مطابق چلائے جا رہے ہیں، جس طرح روزِ اوّل سے چلائے جاتے رہے ہیں۔ جو رقم بیت المال میں آتی ہے اس کی رسید کاٹی جاتی ہے اور اس کا اندراج ہوتا ہے۔ جو رقم خرچ ہوتی ہے اس کی رسید لی جاتی ہے، اور اس کا بھی اندراج ہوتا ہے۔ تمام اخراجات اس بجٹ کے مطابق ہوتے ہیں جو مرکزی شوریٰ ہر سال اپنے سالانہ اجلاس میں منظور کرتی ہے۔ جماعت کے تحریکی، سیاسی اور اجتماعی کام کی نوعیت کی وجہ سے جن اخراجات کا بجٹ سے باہر ہونا ناگزیر ہوتا ہے، وہ بھی قواعد و ضوابط کے مطابق ایک مقررہ کمیٹی اور امیر جماعتِ اسلامی کی منظوری سے ہوتے ہیں۔ آمد و خرچ کے مکمل حسابات رکھے جاتے ہیں اور مرکزی شوریٰ کا مقرر کردہ آڈیٹر ان حسابات کا ہر سال آڈٹ کرتا ہے۔ اس کی آڈٹ رپورٹ بھی مرکزی شوریٰ کے سامنے منظوری کے لیے پیش ہوتی ہے۔ گویا جماعت اپنی روایات کے مطابق جو طریقِ کار لے کر چلی ہے اس پر پوری طرح کاربند ہے۔ اس الزام کی کوئی حقیقت نہیں کہ جن مدات میں رقوم دی جاتی ہیں، ان میں اپنی مرضی سے تصرف کیا جاتا ہے۔ جب رسید ایک متعین مد کی کاٹی جاتی ہے، اور حساب کی کتابوں میں اندراج بھی اسی مد کے تحت ہوتا ہے، تو اپنی مرضی سے تصرف کی بات

محض بدگمانی ہے۔

پاسبان اور اس کے فنڈز کے بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے اسے متعین کرنے کے بجائے آپ نے "کئی قسم کی باتیں" کہنے پر اکتفا کیا ہے ' اس لیے میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں ان باتوں کی تردید یا تصدیق کر سکوں۔ ہاں ' میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ابھی تک پاسبان کو کوئی فنڈ جماعت کے مرکزی بیت المال سے فراہم نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ پاسبان کو فنڈز کی فراہمی بیت المال سے کرنے میں کوئی امر مانع ہے ' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاسبان کی جو اسکیم مرکزی شوریٰ نے منظور کی تھی ' اس میں یہ بھی پیش نظر تھا کہ پاسبان مالی طور پر خود کفیل ہو ' اپنے وسائل خود فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو ' اور وہ بیت المال پر بار نہ بنے۔ لیکن کیونکہ پاسبان مرکزی شوریٰ ہی کی قائم کردہ ایک تنظیم ہے ' اس لیے اگر تحریکی مفاد میں امیر جماعت ' مالیاتی کمیٹی یا مرکزی شوریٰ اس کو بیت المال کے عمومی فنڈز سے کوئی رقم فراہم کرے تو اس پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

آپ کا یہ تاثر کہ پہلے کبھی بھی اس قسم کی باتیں سننے میں نہیں آتی تھیں ' اس کی ایک وجہ انسانی حافظہ کی کمزوری ہے۔ آج سے ۳۵ سال پہلے ' ۱۹۵۷ کے بعد جو گروہ جماعت سے الگ ہوا تھا اس کا ایک بہت بڑا الزام یہی تھا کہ " نظامِ مالیات بھی از سر تا پا تبدیل ہو چکا ہے . . . خرچ میں اب وہ احتیاط اور بیت المال کے بارے میں اب وہ احساسِ ذمہ داری بھی باقی نہیں رہا کہ جو دورِ اوّل میں تھا"۔ اور دور جایئے تو اسلام کے صدرِ اوّل میں ' اس ذات کے بارے میں جو امین اور معصوم عن الخطا تھی (صلی اللہ علیہ وسلم) خود قرآن کی یہ شہادت موجود ہے کہ وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ "ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراضات کرتے ہیں" (التوبہ) ہم لوگ تو خطاکار بھی ہیں ' اور اس ذاتؐ کی خاکِ پا کے بھی برابر نہیں۔

اگر آپ ' اور جماعت کے تمام متعلقین ' اس اصول کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جس طرح شراب ' سود اور زنا منع اور حرام ہیں ' اسی طرح بدظنی ' بہتان ' بلا تحقیق باتوں کا نقل کرنا ' اور غیبت کرنا بھی منع اور حرام ہیں اور جس بات کو الزام لگانے والا ثابت نہ کر سکے وہ بہتان یا قذف کے علاوہ اور کچھ نہیں ' اور اس کو منہ سے نکالنے پر بھی ایک اسلامی معاشرہ میں وہ حد و تعزیر کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پھر ایسی مبہم گفتگوئیں کہ جماعت وہ جماعت نہیں رہی ' اب امانت و دیانت کا وہ معیار نہیں رہا ' ہمز ' لمز ' اور هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ کی تعریف میں بھی آتی ہیں۔

ان چیزوں کا سلسلہ اس وقت ختم ہو سکتا ہے جب لوگ یہ باتیں سنتے ہی ' ذمہ دارانِ جماعت

کو مسئول بنا کر تحقیق و تفتیش اور مطعون کرنے کے بجائے، بات کہنے والے سے متعین بات اور متعین ثبوت طلب کریں۔ اور وہ فراہم نہ کر سکے تو نہ صرف یہ کہ اس کی بات کو دل میں جگہ نہ دیں، بلکہ اس کو تذکیر بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان کے پھندوں سے اور خود اپنے نفس کے شر سے محفوظ رکھے۔

(خرم مراد)

دعاءِ ختم القرآن

ہندو پاک میں چھپنے والے قرآنِ حکیم کے نسخوں میں سورۃ "الناس" کے بعد بالعموم یہ دعا درج کی جاتی ہے:

"اللھم انس وحشتی فی قبری... الخ"

عرب ممالک کے مطبوعہ مصاحف میں یہ دعا درج نہیں کی جاتی اور احادیث، روایات اور آثار میں بھی کہیں اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ خیر القرون کے مصاحف میں اس دعا کو درج کیا جاتا ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس دعا کا التزام ہندوپاک میں عرصہ دراز سے کیوں کیا جا رہا ہے؟ پاکستان میں طبع شدہ مصاحف جو حرم کعبہ میں رکھے جاتے ہیں ان میں یہ دعا درج نہیں کی جاتی۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنے ملک میں چھپنے والے قرآنی نسخوں کے آخر سے بھی اس دعا کو مٹا دیا جائے؟

دعا کے لیے ضروری نہیں کہ الفاظ ماثورہ پر مشتمل ہو۔ قرآن پاک کے آخر میں جو دعا دعاءِ ختم القرآن کے نام سے لکھی گئی ہے وہ پوری کی پوری تو کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے لیکن اس کے اجزاء مختلف احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ اس لیے اس کا قرآنِ پاک کے اختتام پر قرآن پاک سے علیحدہ کر کے چھاپ دینا جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس میں کوئی لفظ غیر مشروع نہیں ہے۔ نہ ہی اس میں کسی حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے نہ ہی کسی کے نزدیک اس دعا کا پڑھنا مسنون ہے۔ قرآن پاک کے ناشرین میں سے کوئی بھی ناشر ایسا نہیں لکھتا کہ یہ دعا حدیث میں آئی ہے اور اس کا پڑھنا مسنون ہے۔ اس لیے کنز العمال کی جس روایت کو لے کر اس پر جرح کی گئی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہونے کے باوجود مسئلہ سے غیر متعلق ہے۔ اسی بناء پر اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ اس دعا کو قرآنِ پاک کے اختتام پر ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں عرب میں طبع کیے جانے والے مصاحف کا ذکر کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ عمل کوئی حجت شرعیہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(عبد المالک)

مطبوعات

صدائے رستاخیز: مولینا سیّد مودودیؒ کی کلکِ گہربار کے نقوش ۱۹۲۵ء۔ جمع و ترتیب: از مولینا خلیل احمد الحامدی، ناشر ادارۂ معارف اسلامی (لاہور)۔ سفید کاغذ پر کمپیوٹری طباعت، صفحات ۵۳۹/۳۰، مضبوط جلد قیمت صرف ۱۵۰ روپے۔

نہایت حیرت انگیز امر ہے کہ ۷۷ سال پہلے کی صحافیانہ نگارشات جو مولینا سیدابوالاعلیٰ مودودیؒ نے روز مرہ حوادث کے متعلق لکھیں، وہ ماضی کی کسی ٹوٹی ہوئی عمارت کا ملبہ نہیں ہے جسے حال کے میوزیم میں سجا کر رکھ دیا جائے۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اپنے عنوانات کے ساتھ لفظ قطار در قطار ہماری آج کی اسلامیت، آج کی صحافت اور آج کے مسائل سے ملنے بلکہ بغل گیر ہونے کے لیے چلے آ رہے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے پون صدی پہلے کے وہ تمام حوادث، فتنے، استعماری اندھیر گردیاں، ہندو مسلم فسادات اور ان کے اسباب، عالمِ اسلام اور اپنے ملک کے کتنے ہی اکابرواعاظم اور ان کے کارنامہ ہائے خیرو شر چلے آ رہے ہیں جو آج ہمارے قریب ترین دورِ تاریخ کا حصہ ہیں۔ ان کو پڑھنے سے آج کے احوال ومقامات کو پوری طرح سمجھنا ان ادیبوں اور صحافیوں کے لیے بہ آسانی ممکن ہو جاتا ہے جو اپنے اپنے میدان ہائے کار میں اتریں یا کام کر رہے ہوں بلکہ طلبہ صحافت . سیاست کے لیے بھی اس کتاب کے مندرجات کی بڑی اہمیت ہے۔

مولینا مودودیؒ کے اس چار سالہ (۱۹۲۵ - ۱۹۲۸) صحافیانہ دور نگارش کے ماحصل کو "جو الجمعیتہ" کی ایڈیٹری میں گزرا، حاصل کرنے کی مساعی سے میری دلچسپیاں بھی وابستہ رہیں۔ مگر یہی سمجھا کہ کچھ تبرکات ہونگے جن سے جذبۂ محبت کی آبیاری ہو گی یا کچھ ثواب حاصل ہو گا۔ حصولِ لطف کا کیا سوال؟ مگر جب دل یکسو کر کے پڑھنے بیٹھا تو ایک تو یوں محسوس ہوا کہ دورانِ مطالعہ میں کوئی قوت مجھ کو کبھی ترکی، کبھی ریف، طرابلس، تیونس میں لے جاتی ہے، اور کبھی

موثر تحریر کا بہاؤ مجھے ترکی اور سمرنا اور کبھی برطانیہ اور فرانس اور کبھی شام اور نجد و حجاز میں لے جاتا ہے اور کبھی اپنے ملک میں گاؤکشی کے قضیے' ہندو مسلم فسادات' موپلوں کے مسئلے' ہندو لیڈروں کے رویے' چند عورتوں کی نسائیت کش حرکات' احمدیوں کی سرگرمیوں اور مغربی استعمار کی جبریتوں اور سازشوں وغیرہ سے دوچار کر دیتا ہے۔ موضوعات اور بھی ہیں مگر سب کا ذکر ضروری نہیں۔

ان واقعات کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آج کے حالات کی جو فصل ہمارے سامنے لہلہا رہی ہے اسے کس طرح پروان چڑھایا گیا ہے ۔ حوادث کی کون کون سی بیل ماضی کے کس کس گملے سے اگی' کیسے بڑھی اور اس پر کیا برگ و بار آئے۔

دیکھنے کی اصل امتیازی چیز یہ ہے کہ ایک مسلمان' صحافت کے ذریعے فلاحِ ملت اور خدمتِ انسانیت نیز مزاحمتِ ظلم اور سازشوں کی گرہ کشائی کس طرح کر سکتا ہے اور ایک ایمانی سرچشمۂ نوروضیا سے کسبِ فیض کر کے اپنا رخ اپنے مقصد کی جانب کیسے قائم رکھتا ہے۔ خبریں دینا اور ان کی تحقیق وچھنائی کرنا اور ادارتی کالموں میں پریس رپورٹوں کے متعلق کو زیرِ بحث لا کر اپنے قارئین کو سوچنے کا تعمیری نہج تفویض کرنا' یہ آج کل کی تجارتی اخبار نویسی کے مقابلے میں بہت مشکل کام ہے۔ دوسرے لفظوں میں مولانا مودودیؒ نے بہ حیثیت الجمعیتہ کے ایڈیٹر کے اپنی نگارش میں اخلاقی زوح کو ابھارا۔

۱۹۲۵ء کا دورِ صحافت مغربی استعماری قوتوں کی تاخت و تاراج کا بڑا اہم تکمیلی دور تھا اور عالمِ اسلام کے مختلف حصوں پر جوروکمر کے ساتھ اقدامات ہو رہے تھے۔ مولینا نے ایک ایک ملک یا قطعہ کے متعلق وقت کے وقت خاص توجہ دی۔

مثلاً ریف اور غازی محمد بن عبدالکریم مجاہدِ ریف کے متعلق ص ۱۹' ۳۱۸ تا ۳۲۲' اور ۵۱۵ پر خاص نوٹ پیش کیے گئے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ریف پر بہت حملے کیے گئے مگر کچھ نہ بنا۔ ایک لاکھ کی آبادی کا یہ علاقہ جہاں صرف ۴۰ ہزار فوجی معرکہ آرا تھے اواخر ۲۵ء میں ہسپانیہ اور فرانس جیسی دو سلطنتوں کی ساڑھے تین لاکھ فوج اور جدید اسلحہ سے مفتوح نہ ہو سکا۔ اس حالت کا استعماریوں نے جو تجزیہ کیا' وہ الگ۔ مولینا کے فقروں کو ملاحظہ فرمایئے :

—— " مچھروں کے مقابلے میں مشین گن کا استعمال کبھی کامیاب نہیں ہو سکا "۔

—— " کوئی طاقت ور سے طاقت ور بیڑا بھی دلدل میں کام نہیں دے سکتا "۔

—— " دو سلطنتیں متضاد مقاصد کو لے کر متحدہ جنگ نہیں کر سکتیں "۔ (ص ۵۱۵)

مجھے یاد ہے کہ میرے ابتدائی دور میں محمد بن عبدالکریم مجاہدِ ریف کا بڑا چرچا تھا۔

دوسرا بڑا مبحث ترکیہ کا ہے جس میں سامراج کی جارحانہ و سازشی کارروائیوں کا توڑ ترکوں نے بہادری سے کیا' مولانا نے اس سلسلے کی تمام تاریخی کڑیوں پر وقت کے ساتھ ساتھ بار بار اداریے اور مضامین لکھے۔ پہلا ص ۳۵ تا ۴۰' دوسرا اہم مضمون " ترکی میں جمہوری استبداد " ہے (ص ۲۳۱)۔ پھر ایک مضمون ہے " ترکی میں افراط و تفریط کا ہنگامہ "(ص ۵۰۵ تا ۵۰۶)" مسئلہ اصلاح اور ترکی مدبرین "(۴۶۵ تا ۴۷۷)۔

تیسری اہم گفتگو مسئلہ نجدو حجاز پر آتی ہے مگر انگریزوں کے آلہ' کار شریف حسین کی بادشاہت' حجاز کے اطراف میں برطانوی تسلط وغیرہ مسائل کے علاوہ حج میں رخنہ اندازی اور ابن سعود کے مقابلے میں شریف حسین کی حریفانہ .حرکات ۔ عرب میں برطانیہ کی چالیں۔ ان کو پڑھ کر لمبا دورِ آویزش سامنے آتا ہے۔

ایک بڑا موضوع مصر ہے اور اسکی سیاست کے مختلف طوفانوں اور مدوجزر کے تذکرے ملتے ہیں۔ ایران اور جمعیتِ اقوام اور انقلابِ ایران۔ خود ہندوستان کے متعلق ایک طرف استعماری شرانگیز چالوں کا ذکر ہے' دوسری طرف ہندوؤں کی مسلم دشمنی کا اور تیسری طرف ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف فسادات اور ان کی تنظیمیں اور پھر خاصا لمبا قصہ احمدیوں کا بھی ملتا ہے۔ نیز موپلوں کے معاملے میں حکومت کی غلط اسکیموں پر تنقید ہے۔ دمشق کی بربادی' شام اور فرانس کا قصہ' ایران کے حالات' دکن کے بارے میں ضروری باتیں' استعمار اور علمائے سوء' بنکوں کا سود' یومِ عاشورہ کے متعلق احادیث' چند نادان (ماڈرن) عورتوں کا فتنہ اور حسن پرستی کا مظاہرہ' اور پھر ہندوستان میں مسیحیوں کی ترقی کے اعداد و شمار' کلکتہ میں مسیحی تبلیغ اور عرب میں مسیحی تبلیغ کی طرف توجہ۔ دلچسپ بات یہ کہ مولینا نے ص ۳۵۸ کی بحث میں ثابت کیا ہے کہ قدیم ہندومت میں گائے کا ذبیحہ و قربانی جائز تھی۔

ہم نے پہلے بھی مولینا مودودیؒ کے اسلوبِ نگارش اور زبان پر بات کی ہے۔ مولینا کی زبان خوبصورت ادبیت' سلاست و روانی' تجزیۂ مسائل کی آئینہ داری اور زورِ استدلال اوّل درجے کا ہے اور اس دور کی زبان کی مخصوص ساخت مولینا کے بعد کے لٹریچر کی زبان سے اتنی ملتی ہے کہ کوئی بھی نکتہ شناس آدمی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ دونوں ادوار کی تحریریں ایک ہی شخص کی ہیں۔ ان میں ادبی حلاوت و استدلال کی کشش' محاوروں اور تمثیلات کا استعمال ایسی خوبیاں ہیں جن کی جھلک دکھانے کے لیے دو ایک مختصر عبارتیں درج ذیل ہیں :

"اب یہ حال ہے کہ اقصائے مغرب سے لے کر برقہ کے آخری حدود تک جور و ستم کا ایک رولر پوری بے دردی کے ساتھ کلمہ گویانِ توحید کو کچل رہا ہے' اور انسانیت' تہذیب اور مذہب کے علمبردار اپنے ہاتھوں کو مسلم کشی کے خون سے رنگین کر رہے ہیں --- " اہلِ مغرب (افریقہ کا شمالی مغربی حصہ) کو کتوں اور بلیوں سے ذلیل سمجھا جاتا ہے ایک فرانسیسی کی جان ہزاروں مراکشیوں کی جان سے قیمتی ہے --- ۱۶ لاکھ ایکڑ زمین جوتنے والے مسلمانوں کو ان ۱۰ لاکھ ایکڑ کا بھی لگان ادا کرنا پڑتا ہے جو فرانسیسوں اور فرانسیسی یہودیوں کے زیر کاشت ہیں۔ " (ص ۲۷)

"فرض کیجئے کہ بیان کردہ مظالم (سیام میں) کا عشر عشیر بھی درست ہے اور پانچ چار لاکھ نہیں بلکہ دس بارہ سو مسلمانوں پر' کلمہ توحید پڑھنے والوں پر' خدائے قدوس کے پرستاروں پر ظلم ڈھایا گیا ہے تو کونسا قلب ہو گا جو ساکت و ساکن رہ سکے گا؟ کونسا مسلمان دل ہوگا جو اضطراب و ہیجان سے سیماب وش' مضطرب اور بے چین نہ ہو جائے گا اور کونسی آنکھ خوں کے آنسو نہ روئے گی۔ " (ص ۷۷)

"مرہٹہ لیڈروں نے باجی راؤ اول کی برسی بھی منانی شروع کر دی ہے جس کے متعلق ہر تاریخ داں اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ مرہٹہ قوم میں سیواجی کے بعد سب سے بڑا اور سب سے زیادہ کامیاب دشمنِ اسلام گذرا ہے۔ اسکی وجہ ہماری سمجھ میں اس کے سوا کوئی نہیں آتی کہ مغلیہ سلطنت کے دورِ اخیر میں یہی دونوں شخص مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ہندوستان سے اسلام کی حکومت کو مٹانے میں انہی دونوں نے سب سے زیادہ کوششیں کی تھیں --- نہ ان کا اخلاقی درجہ ہندو قوم کے عوام سے کچھ بلند تھا اور نہ وہ علوم و تمدن کے مربی و سرپرست تھے۔" (۱۹۲)

"اس کے (موپلا قوم کے) خصائص بعینہٖ وہی ہیں جو اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اس کے عرب آباؤاجداد اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی یہی وہ حرکت ہے جس کی پاداش میں اس کے اکابرین کو سنگینوں میں پرویا گیا اور گولیوں کا نشانہ بنایا گیا اور اس کے بعد اسکے معصوم و مظلوم بچوں کو کالے پانی کی سرزمین میں دفن کیا جا رہا ہے۔" (ص ۲۲۴)

ایک اقتباس ذرا تفصیلی :

" لیکن اصلی سوال نفسِ اصلاح کا نہیں بلکہ طریقِ اصلاح اور مقصدِ اصلاح کا ہے

(بسلسلہ ترکی) اور وہی دراصل باعث اختلاف و نزاع ہے۔ نہ صرف ترکی بلکہ تمام دنیائے اسلام کے ارباب فکروبصیرت اس سوال کے حل میں معروف ہیں۔ اس باب میں ان کی رائیں اس قدر مختلف ہیں کہ ہم ان کو چار جماعتوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ (تلخیص):

ایک وہ جماعت جو خالص دینی احیاء کی قائل ہے (اور یورپ کی ہر چیز سے مقاطعہ چاہتی ہے۔)

دوسری وہ جماعت جو پہلی جماعت سے متحد ہے مگر علوم و صنائع جدیدہ سے استفادہ کو ضروری سمجھتی ہے۔

تیسری وہ جماعت جو مذہب کو صرف مذہبی زندگی کے اسلامی دائرہ میں محدود رکھ کر باقی تمام شعبوں میں مغرب کی تقلید کرتی ہے۔

چوتھی جماعت وہ ہے جو مغربی تمدن کی شان و شوکت سے بالکل مرعوب ہو گئی ہے اور مذہب کی قیود کو صرف اس حد تک برداشت کرنے کے لیے تیار ہے جس حد تک وہ اسے یورپین تہذیب و تمدن اختیار کرنے میں مانع نہ ہو۔"

اس چوتھی جماعت (یا گروہ) کا جائزہ ملاحظہ ہو:

"اس جماعت کو ہم نے یورپ کے غلبہ کی بدترین پیداوار کے نام سے موسوم کیا ہے اس میں محض لفاظی نہیں بلکہ ایک اہم حقیقت پوشیدہ ہے۔ اگر آپ اس کی حقیقت پر غور کریں تو پہلی نظر میں معلوم ہو جائے گا کہ وہ دراصل یورپ کی سطوت و جبروت اور اسلام کی نکبت و ذلت کے اجتماع سے پیدا ہوئی ہے۔ اور اس کے دماغ پر یورپ اس بری طرح مسلط ہو گیا ہے کہ وہ ترقی اور یورپ کی تقلید جامد کو لازم و ملزوم سمجھنے لگی ہے ---- عموماً ہم نے اس کے افراد میں یہ عیب دیکھا ہے کہ وہ یورپ والوں کی خوبیوں کو چھوڑ کر صرف عیوب کو چن لیتے ہیں اور صرف انہی کو لازمۂ تہذیب سمجھتے ہیں ---- انہیں لے دے کر اگر کچھ پسند آیا ہے تو وہ صرف یورپ کا مسرفانہ نیم عریاں لباس، اس کی فضول خرچ معاشرت، اسکی غیر مشروط (غیر محدود) آزادی، اس کی مخرب اخلاق تہذیب، اس کی عفت کش بے پردگی، اور اس کی دہریت و بے دینی ہے۔"
(ص ۴۶۹ تا ۴۷۲)

اس روانی اور بہاؤ کو آپ نے دیکھا۔ یہ نثر نگاری کا ایک مخصوص مکتبِ مودودی ہے۔ زبان

بقیہ بر صفحہ ۵۳

REGD. NO. L 5340

MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN